

منجھلی میں روکنا

ستونوں والے گول برتدے میں کھڑے ہوئے وہ آج ہمیشہ سے زیادہ بے چمن تھی ایک سیہام سی او اسی نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا سخت چبھنے والی دھوپ پوری حوٹلی میں پھیلی ہوئی تھی مگر وہ تو گرمی تک سے بے نیاز تھی سخت جھلسا دینے والی لوچل رہی تھی ہر طرف ہو گا عالم طاری تھا۔

اس کی پالتو مرغیاں جاسن کے گھنے پیڑ کے نیچے دھوپ سے بچ کر سر نیہواڑے پڑی تھیں سفید رنگ کا مونا سا مٹا جس کا ہم اس کے بے پناہ وزن کی وجہ سے منار نے بازو رکھا ہوا تھا وہ بھی حوٹلی کے بیرونی کینٹ سے اندر آگیا تھا جاسن کی شدت سے وہ بار بار اپنی لمبی زبوں باہر نکال رہا تھا منار نے اس کے کھانے پینے والے گول کمرے برتن میں تانہ پائی بھر اور پھر دوبارہ برتدے میں آئی اس کی آنکھوں میں اب چند اتر آئی گی مندی مندی بند ہوتی تھی تھکی تھکی آنکھوں کو اس نے گھڑی کے ہند سے پہ گھڑ دیا ابھی صرف تین بجے تھے۔

اس نے سامنے والے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اس کی امی اندر عابوت کے مطابق ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد سو رہی تھیں وہ بھی اپنے کمرے میں آگئی باہر کے مقابلے میں اندر گرمی کا احساس نہ ہونے کے برابر تھا اس نے چٹھے کی رفتار کو اور بھی تیز کر دیا اور استریہ گرمی گئی چند منٹ کے بعد وہ بے خبری کی نیند سو رہی تھی۔

اس کی آنکھ بہت دیر کے بعد کھلی جب امی کے پاس سیپاہ پڑھنے والے بچے آچکے تھے اسے عصر کی

نماز قضا ہونے کا افسوس سا ہوا۔ وہ اٹھ کر باہر آگئی جلی پتے زور زور سے با آواز بلند اپنا سبق دہرا رہے تھے اس نے ایک نگاہ آسمان کو دیکھا جہاں پر بندوں کی ڈاریں گھروا رہی تھیں ہوا کے زور سے شیشم اور جامن کے درختوں کے پتے مسلسل مل رہے تھے زوردار تاریکی تھا کا تھا کا سا سورج ایک کونے میں اوجھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ سفید دوپٹے کے بالے میں فاطمہ کا چہرہ است پر سکون دکھ رہا تھا۔

منار نے زوردار جھلکی اور امی کے پاس چلی آئی جو بڑے پیار اور توجہ سے بچوں کا سبق سن رہی تھیں۔

”آج بڑی لمبی نیند لی تھی سنے عصر کی نماز ہی نکل گئی میں نے دو تین بار تمہارے کمرے کا دروازہ بجھایا مگر تم بہت گہری نیند میں تھیں شاید“ انہوں نے لہجہ بھر کے لیے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور تاحسوس انداز میں سرزنش کی تو وہ بے طرح شرمندہ ہو گئی اور اسی وقت وضو کرنے چلی گئی۔

مغرب کی نماز کے ساتھ عصر کی قضا نماز ادا کر کے بھی اس کی شرمندگی کہ نہ ہوئی تو وہ چھت پہ چلی آئی مگر امی نے تورا ”تواڑے کراے بیٹھے بلو الیا۔“

”منار اس وقت چھت پہ نہ جایا کرو ہر اچھی بری روح اپنے ٹھکانے پہ لوٹ رہی ہوتی ہے۔“ انہوں نے اس کے سامنے روپ سے نگاہ چراتے ہوئے کہا۔ منار کے چہرے پہ بچپن اور جوانی کا حسین ستھم جمع تھا جوانی کا ایک انا حسن ہوتا ہے وہ اسی دور میں داخل ہوا رہی تھی۔ فاطمہ تو اسے نظر لگنے کے خوف سے غور سے دیکھتی بھی نہیں تھیں انہیں لگتا وقت بہت تیزی

سے گزرا ہے منار نے کتنی جلدی تہ کاٹھ نکال لیا تھا۔

وہ ماضی کے دھند لکوں میں جھونے لگیں انہوں نے بڑی کمسن زندگی گزار دی تھی صبر آزما طویل بد و جد کی تھی تب کہیں جا کر آسانی نصیب ہوئی تھی کم عمری میں شادی ہوئی اور بیس برس کی عمر میں بیوی بھی نصیب بن گئی منار ان کے شوہر کی وفات کے

مکمل جدول

بعد پیدا ہوئی تب سے اب تک فاطمہ نے حالت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مردوں کی طرح زندگی گزار دی۔ شوہر کی وفات کے بعد کسی نے انہیں رقیقین پہروں میں نہیں دیکھا ان کی بڑی بڑی غلامی آنکھیں سرے سے محروم لب سرخی سے خالی اور ہلکی سی الجھے سے نظر آتے۔ لمبے بالوں کی کس کر پھیا بنائے



دو پہنچے تھے تک اور دھڑے دھڑے ہر آواز سے بے نیاز ہو چکی تھیں۔ چھوٹی والے ان کے گرد اڑی کی جھنک سے ان کی بے پناہ عزت کرتے۔ ان کے سر جو بڑے رعب دار زمیندار تھے انہوں نے فاطمہ پر بہت زور دیا کہ وہ ان کے چھوٹے بیٹے امجد سے شادی کر لے جو نیمراہ کے ساتھ اصل دھڑے دھڑے عزت گھر میں رکھنے کے قابل تھے۔ فاطمہ نے اسی گھر میں رہنے کو ترجیح دے کر امجد کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا۔ محکم ہار کردہ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ فاطمہ کے پاؤں میں چاندی کے تار پکینے لگے اب تو ان کے سر بھی اس دنیا میں نہیں رہے تھے فاطمہ اس گھر میں حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے دیوالے امجد اور مناع کے ساتھ اکیلی رہ گئی تھیں۔

امجد مست انت اپنے آپ میں مگن انسان تھا زیادہ وقت گھر سے باہر رہتا تھا۔ آتا تو مناع میں کر کے اسے کپڑے بدلنے پہ آتا کرتی کیونکہ اسے امجد چاہا ہے بہت محبت تھی ماں کے بعد اس کا دم مناع کے لیے غیمت تھا۔ فاطمہ کا کوئی اور من بھائی نہیں تھا۔ مندر کا خاندان بھی مختصر سا تھا۔ دے دے کر امجد ہی اب سب کچھ تھا۔ بے شک وہ نیمراہ کے ساتھ مرد تو تھا ہی اس کی وجہ سے فاطمہ نے بھی بہت پکڑی ہوئی تھی۔

مختصر کی چٹھڑی کے بعد طویل میدان مسلمان تھا اس کے آگے وکانوں کا سلسلہ تھا۔ سب سے پہلے قاور ٹیلرنگ باؤس تھا۔ دکن کے عین سامنے سا قاورہ رنگ آلودہ کے ٹکڑے۔ نئے نئے حروف میں قاور ٹیلرنگ باؤس لکھا ہوا تھا اس کے بعد توپن بائی اور اس کے بعد اکرام بائی کی دکن تھی جہاں پہ چوبیس میں سے پندرہ گھنٹے میوزک بجا رہا تھا۔

حسب معمول چھٹی کے بعد وہ جو نئی اسکول کے بعد جانا پچانا راستہ طے کرنے لگی تو اکرام بائی کی دکن کے عین سامنے حلد کہیں سے اچانک برآمد ہو کر آگیا

ایسا مسلسل دھڑا دھڑا ہوا تھا تو اب حلد سے خوفزدہ رہنے لگی تھی وہ اکرام بائی کی دکن کے باہر اپنے آواز پرستوں کے ساتھ کچھ اناظر آنا مناع کو آتا تھا کہ ٹیپ ریکارڈر کی آواز اونچی کر دی جاتی تھی خیز قعرے اچھالے جاتے آوازیں کسی جا نہیں اشارے بازی کی جاتی۔

آج وہ اسے دکن کے باہر نظر نہیں آیا تو وہ سمجھی کہ جن چھوٹ گئی مگر وہ اچانک بول کے جن کی طرح حاضر ہو گیا اب تو پینٹ اس کے ہر سام سے گویا پھوٹنے لگا۔ دڑکے اور بھی دکن کے اندر سے نکل آئے حسب عادت ٹیپ ریکارڈر کی آواز اونچی کر دی تھی مناع نے گھبرا کر چار کو اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹ لیا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

آج کل ذرا سا دل لڑائی

بے چین دل چھوڑ کر تیری

حلد بھی اس کے پیچھے قدم اٹھانے لگا اس کے دوست بھی اس کے ساتھ تھے۔

”یہ تو بڑی مشغور ہیں تم سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتیں۔“ حلد کا ایک دوست اسے سنانے کے لیے قہراً آواز میں بولا تو وہ ہنسنے لگا۔

جو نئی پٹاری کا منحن نظر آتا حلد اور اس کے دوست دوبارہ پیچھے کی طرف لوٹ گئے۔ مناع نے گھر پہنچتے ہی بہت ایک طرف رکھا اور چار بائی پر گری گئی۔

ابھی اندر نہیں دکر نہ وہ اس کا ہونٹ چہرہ اور پٹا پڑا رنگ دیکھ کر پریشان ہو جاتیں کچھ دیر وہ پوچھی پڑی رہی پھر اٹھ کر بائی یا ابھی ٹھکر کی نماز سے فارغ ہو کر آئیں اور روزانہ کی طرح خود اس کے لیے کھانا لائیں۔

سلاو کے ساتھ اس کی پسندیدہ الٹی پودینے کی چٹنی بھی تھی دال چاول اس کے علاوہ تھے مگر اس نے بے دلی کے ساتھ چند تھے زہر مار کیے اور برتن ایک طرف کر دیے۔ اب کیا ہو گا یہی ایک سوال اس کے ذہن میں چکر رہا تھا اسے حلد کی خود میں دلچسپی بالکل بھی اچھی نہیں تھی اگر اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اسے خوشی کے چھوٹے نہ سانی کیونکہ حلد اثر و رسوخ والا

مردت شکل میں اچھا اور دل موہ لینے کا فن جانتے والا تھا مگر وہ اس سے بالکل متاثر نہیں ہوئی فاطمہ نے اس کے ہوش سنبھالنے کے بعد اس کے کانوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ تم عزت والے باب کی بیٹی ہو کہیں میرا مرنہ جھکاؤ۔

مناع عمر کے ایسے دور میں تھی جہاں ہر چلتی چیز آنکھوں کو بھلی تھی ہے برے بھلے کی تیز خوانی کی آہٹوں میں دم ہو جاتی ہے وہ بھی عمر کے اسی حصے سے گزر رہی تھی جو مبارکی آمد میں شمار ہوتا ہے۔ مناع کی ایک عادت تھی کہ وہ جلدی کسی سے فری نہیں کرتی تھی اسکول میں بھی اس کی کوئی ایسی سبکی نہیں تھی جسے راز دار اور بہترین دوست کھلانے کا حق حاصل ہو سکتے ہیں بھی وہ کسی کے گھر نہیں جاتی تھی فاطمہ نے اس کی پرورش ہی اس انداز میں کی تھی کہ وہ اپنے آپ سے باہر نہیں نکلتی تھی ماں کے بعد تنہائی اسے بہترین رفیق محسوس ہوتی۔ حلد کی حرکتوں نے اسے عاجز کر کے رکھ دیا تھا ماں سے بھی وہ اس موضوع پر بات کرنے کی ہمت نہیں پاتی تھی اب خود ہی اندر اندر چل رہی تھی پڑھو گی اور پریشانی اس کے چہرے سے صاف محسوس کی جاسکتی تھی اس کا چہرہ تو کھلی کتاب کی مانند تھا ایک ایک لفظ صاف پڑھا جاسکتا تھا۔

”یار حلد چھٹیاں قسم ہونے کو ہیں اور تم ابھی تک اس لڑکی کو نہیں پتا کتنے ہو۔“ رستم نے اسے گویا غیرت دکائی تو سبھاو نے بھی اس کی بات میں ہل مٹائی۔

”کچھ شکار بہت زیادہ بھگاتے ہیں اتنا کہ بندے کو تھکا دیتے ہیں مگر ایسے مشکل شکار کو کھانے کا مزہ ہی پتہ اور ہوتا ہے۔“ حلد نے اپنی ایک آنکھ دبا کر کہا ”ایسے حلد تمہارا یہ نیا شکار ابھی پوری طرح جوان نہیں ہوا ہے۔“

”رنگ رنگ کے پھولوں کو مسلا ہے ان کا رس پیا ہے دیکھنا چاہتا ہوں کھلتی ہوئی کھلی کیسی ہوتی ہے اس

کی خوشبو کیسی ہوتی ہے تم نے بھی گلاب کے پودوں کو دیکھا ہے اگر دیکھتا ہے تو یہ بات بھی غم میں ہوگی کہ ان کی سرسبز سنیوں پہ انھی مٹی کلیاں کتنی بھلی اور چماری لگتی ہیں میں اب بھی کداریوں میں سے اکثر کلیاں لوت کر پیٹنگ دیتا ہوں چھپس کیا بتاؤں کہ اس عمل سے مجھے کتنی سنسنی خیزی محسوس ہوتی ہے۔“ بولتے بولتے اس کا لہجہ ہنسنے لگا تو وہ اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ احمد فطرت نگاروں ایکڑ پہ پھلی ان کی جاگیر دکھائی دے رہی تھی وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر جھوٹے درختوں کے پتوں کو دیکھا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر پلٹ آیا۔

”یار حلد میں تو چھٹنگ سے بھی تنگ آگیا ہوں زیادہ آن لائن لڑکے ہوتے ہیں جو لڑکیاں بن کر ہمیں ہی دھوکہ دیتے ہیں سوچا تھا تمہارے دلوں آکر خوب انجوائے کریں گے مگر میں تو۔“ اسی نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہی بات اور حوری چھوڑ دی مگر حلد سبھاو کی اس اور حوری بات کا مطلب جان گیا۔

”چلو کیا یاد کرو گے کنویں والی زمین کے ڈیرے پہ آج رات تمہاری انجوائے منٹ کا مکمل سلاو میا کر دوں گا۔“ حلد نے سینے پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا ”بس ذرا بابا جان کی طرف سے تھوڑی پریشانی ہے ویسے تو اپنی جوانی میں وہ خود بھی کوئی زائد شک نہیں رہے مگر تمہیں پتہ ہے میں آج کل کے بابوں کا۔ میرے دو واقعات ان کے کانوں تک پہنچے ہیں مگر انہوں نے کہا کچھ نہیں خاموشی برقرار ہے ابھی تک اس لیے میرا اندازہ ہے کہ فیوچر میں وہ میرے لیے کوئی پریشانی نہیں پیدا کریں گے۔“

”ہاں تم سے میں پوری طرح متفق ہوں ہمارا بھی انجوائے کرنے کا زندگی سے خوشیاں کشید کرنے کا حق ہے یہ گولڈن پیریڈ پھر کب آئے گا بھلا ہے میں تو ہم ایسا کرنے سے رعب۔“ رستم پر جوش آواز میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔

آج حلد اپنی مقررہ جگہ پر اسے نظر نہیں آیا تو اس کے سینے سے ایک سکون بھری سانس خارج ہوئی وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی نیکروں والے کنویں کے پاس پہنچی تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا حلد آگے کنویں کی مندر پر بیٹھا سکرار ہاتھ موچھوں کو تھوڑتا وہ اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

”تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو اتنی اچھی کہ حویلی کی زینت بنانے کو جی چاہتا ہے۔“ اسے بخور دیکھتے ہوئے وہ منظور لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”کبھی میرے گھر آؤ میں بڑی اہل کل تمہاری اہل کا ذکر کر رہی تھیں کہ کالی دنوں سے انہیں نہیں دیکھا ہے ملک و قار کی شادی بھی طے ہو گئی ہے سب گاؤں والوں کو بلایا ہے تمہارا دعوت نامہ بھی ہے ضرور آتا میں انتظار کروں گا یا اگر تم جاہو تو میں تمہیں گاؤں سے باہر گھمسانے لے جاؤں فلم دکھاؤں گا۔“ آج تو حلد کا لہجہ و انداز دونوں ہی بدلے ہوئے تھے مارے غصے غمت کے اس کی جرات پہ منہ کے گلے سرخ ہو کر رہ گئے۔

”نہیں میرے راستے سے“ اس کا لہجہ اٹھکوتا عادی تھا۔

”صرف ایک بار کہیں سکون سے مل بیٹھیں تو پھر ہمیں پریشانی نہیں کروں گا وعدہ کر لو گی میں پھر لوں نہیں ہو گا صرف تمہیں دیکھنے کے لیے صبح و سوریے اٹھتا ہوں ادھر میں خوار ہونا ہوں“ حلد کا انداز ایسا تھا کہ منہ کا دل تذبذب میں پڑ گیا۔

”ایک بار ملو گی میں۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا سر اثبات میں مل گیا حلد اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ منہ کو جاستے دیکھ کر اس کے لبوں پہ معنی خیزی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

آج اسے ہاتھل بھوک نہیں تھی اہل سے نظر پچا کر برتن جوں کے توں پلور پتی خلعے میں رکھ آئی۔ گزشتہ واقعات ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں آ رہے تھے کچھ سوال دل و دماغ کو بے قرار بے سکون کر رہے تھے اسے حلد سے ملنے کا وعدہ کرنے کے بعد احساس جرم ہو رہا تھا کہ اسے یوں نہیں کرنا چاہیے

حلد حلد کھاتے بیٹے با اثر خاندان کا لڑکا تھا شہر کے کالج میں زیر تعلیم تھا اسے تو ایک سے ایک خوب صورت لڑکی مل سکتی تھی پھر اس نے میرا بی انتخاب کیوں کیا یہ بات اسے ابچھن میں ڈال رہی تھی اور کسی گزرو کا اشارہ کر رہی تھی۔ یہی چیز اس کے بچے ذہن کو پریشان کر رہی تھی وہ آخر کیا کرے کس کو بتائے کہ اس کے سینے سے بوجھ ہٹ جائے۔

”اہل ٹھک ہے اہل کے سوا میرا کون ہے میں انہیں سب کچھ بتا دوں گی وہ خود معاملے کو سلجھا لیں گی۔“ وہ خود سے بول رہی تھی۔ پھر دلی آواز اور روئے روئے لہجے میں اس نے سارا واقعہ اہل کے گوش گزار کر دیا۔ وہ خاموشی سے ہمد تن گوش رہیں مہنگو کے بچے میں بار بار اس کے چہرے کا جائزہ لے کر اس کی سچائی کو جانچتی رہیں۔ منہ اب خاموش ہو گئی تھی فاطمہ سر جھکائے کسی سوچ میں ڈوبی رہیں پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں چادر اوڑھ کر وہ حویلی چلی گئیں۔

حویلی والے یوں تو ان کی بہت عزت کرتے تھے مگر بگڑے بیٹے کے بارے میں کوئی بچ کیسے برداشت کر سکتے تھے بڑے ملک صاحب غصے میں آگئے۔

”حلد ایسا جوان نہیں ہے چلو مان لیتے ہیں اگر موج مستی میں آکر اس نے کوئی ایسی دھکی شرارت کر بھی دی ہے تو کیا ہوا اس عمر میں سب ایسی شرارتیں کرتے ہیں پھر حلد جو اتنا آگے بڑھا تو اس میں تمہاری بیٹی کی مرضی بھی شامل ہوگی عورت اگر ٹھک ہو تو مرد اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا برائی حلد میں نہیں بلکہ تمہاری۔“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی مگر فاطمہ ان کا مطلب بخوبی سمجھ گئیں وہ غم و غصے کے عالم میں وہاں سے نکلیں۔ سارا الزام ان کی معصوم بیٹی کے سر آیا تھا وہ کیسے مان لیتیں کہ منہ قصور وار ہے انہوں نے تو اسے زمانے کی ہوا تک سے بھی بچا کر رکھا تھا جو عزت برسوں سے انہوں نے سنبھیل سنبھیل کر رکھی تھی وہ جملوں میں وہ تار تار ہو کر رہ گئی تھی اگر منہ قصور وار ہوتی تو ہرگز انہیں اس قسم کی ہوانہ لکھتے دیتی۔

خلاف توقع امجد آج گھر پر ہی تھا اور منہ اس کے آگے کھانا رکھ رہی تھی اب بھی اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے ایسے ہی آنسو فاطمہ کی آنکھوں میں بھی تھے امجد کھانا چھوڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ فاطمہ نے بے اختیار منہ کو چن لیا اس کا نازک وجود ہولے ہولے لہل رہا تھا۔

”کہہ سکتے ہیں تمہاری بیٹی ٹھیک نہیں ہے اس کی مرضی سے حلد میں اتنی ہمت آئی ہے بھلا میری منہ ایسی کیسے ہو سکتی ہے مجھے کیا ضرورت تھی ان کے پاس جانے کی نورین کا انجام سامنے ہے اس کے باپ باپ بھی حلد کی شکایت لے کر گئے تھے جس کے نتیجے میں انہوں نے ملکوں کی پوری پوری مزا بھگتی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں بدر ہونا پڑا بدنامی الگ ہوتی ہے نہیں ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔“ فاطمہ بہت عرصے بعد یوں رو رہی تھیں امجد کے ذہن میں فاطمہ کے جملے نقش ہو کر رہ گئے وہ دوبار بار دہرائے لگا۔

”بھلا میری منہ ایسی کیسے ہو سکتی ہے۔“ اس نے خود سے گویا سوال کیا اس عالم میں وہ کیسے سے بھی پاگل نہیں لگ رہا تھا یہ سچا گل امجد حویلی روانہ ہو گیا اب حلد کی بد قسمتی کہ داخلی دروازے کے باہر حلد اپنے دو دوستوں کے ساتھ دہلی کھڑا تھا امجد امجد اندھا دھند اس پہ پل پڑا ”میری منہ ایسی کیسے ہو سکتی ہے“ اسے رگیدتے ہوئے وہ ایک ہی فقرہ ہر بار ہاتھ اس عالم میں اس میں بے پنوطاقت آگئی تھی۔ حلد اس ناگہالی پہ سنائے میں آگیا اس کے دوست ششدر تھے اتنے میں نوکروں نے شور مچا دیا کہ پاگل امجد حلد پہ حملہ آور ہو گیا ہے حلد کی دل لور تلکی بھاگتی ہوئی کیسے آگئیں چوبدری منصور کے کانوں تک بھی شور پہنچا تو ان کا جلائی خون جوش میں آگیا ایک معمولی آدمی کے ساتھ ان کے سینے کے گریبان تک کیسے پہنچے ایک پاگل کی یہ جرات کہ ان کے اعلیٰ خون کو یوں بے عزت کرے انہوں نے دیوار کے ساتھ لٹکی اپنی رائفل اٹاری جو پہلے ہی لوٹ گئی۔ ادھر حلد اب اس ناگہالی افتاد سے قبضہ چکا تھا اس وقت امجد اس کے دوستوں کی

ٹھوکروں پہ تھا ہولہول امجد کے ساتھ باقی کسر ملک منصور کی چلائی گولی نے پوری کردی تھوڑی بور تڑپنے کے بعد وہ ساکت ہو گیا تو ملک صاحب نے حکم دیا کہ اسے اس کے گھر چھوڑ آؤ۔ اس کی لاش گھر پہنچنے سے پہلے اس کی موت کی خبر فاطمہ تک پہنچ گئی۔ منہ الگ ایک کونے میں ڈری سہمی بیٹھی ہوئی تھی۔ فاطمہ کا کلیجہ امجد کی لاش کو دیکھ کر شق ہو گیا تھا اگر انہیں علم ہو تاکہ ان کی زبان سے نکلے ایک جملے کے زیر اثر امجد یہ کر گزرے گا اور اتنی بے دردی سے مارا جائے گا تو وہ کبھی یہ لفظ زبان سے نہ نکالتیں مگر اب کیا ہو سکتا تھا جس امجد کو وہ زندگی بھر نیم پاگل تصور کرتی رہیں نہ جانے کس برتن سے وہ ملکوں سے فکر سے بیخدا۔

تھوڑی دیر کے بعد لوگ ان کے گھر جمع ہونا شروع ہو گئے سب ہی اس المناک موت سے خوفزدہ تھے۔ امجد ایک بے ضرر بند تھا کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی وہ اللہ لوگ مست ملک سا آدمی تھا اپنے آپ میں مکن رہتا اس کا یوں بے دردی سے مارا جانا ان سب سے برداشت نہیں ہو رہا تھا سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے بڑے ملک کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گئے وہ فاطمہ کے پاس آکر رک گئے۔

”مجھے امجد کی موت پہ بہت افسوس ہے۔“ الفاظ کے برعکس لہجے میں افسوس کا رتی بھر شائبہ نہ تھا۔ ”یہ اپنی غلطی سے مارا گیا ہے بھلا اسے ملک حلد پہ ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت تھی خود چوبی کی طرح مر گیا اب اس بات کو بلی جاؤ اس میں تمہاری ہی بہتری ہے خاص طور پہ تمہاری بیٹی کی۔ بدنام تو ہوئی چکی ہے جینا بھی مشکل ہو جائے گا لوگ کلی کلی مٹنے مٹنے تمہاری عزت اچھا لیں گے۔ یہ کچھ پیسے رکھ لو امجد کے کفن دفن کے کام آئیں گے۔“ انہوں نے ہرے ہرے نوٹوں کی گڑی فاطمہ کی طرف بھٹک دینے کے انداز میں برہمائی مگر انہوں نے رقم لینے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھائے تو ملک مختار نے رو پے وہیں ان کے پاس رکھے اور رخصت ہو گیا۔ ملکوں کے گھر کی عورتیں بھی تعزیت کے لیے آئی تھیں۔

انہیں صناع کی وجہ سے امجد مارا گیا تھا ہے کہ امجد نے صناع کو جو بددی نمانہ کے ساتھ قابل اعتراض بات میں دیکھا تھا بھی تو بات اتنی بڑھ گئی کہ وہ پنجوئے ملک پہ حملہ آور ہو گیا وہ اسے ار کر صناع کو بھی مارا چاہتا تھا لہذا لوگ تھا تو کیا ہوا بے غیرت تو نہیں تھا اس بے غیرتی کے سبب شری کی وجہ سے ہی اس نے پائل امجد کو بھی خوشنمایا بھی تو چین سے ہاتھ دھو کر خطاب اس فاطمہ کو دیکھو شوہر کے مرنے کے بعد سے پھر تک پھر تک کر زندگی گزار رہی اور جی سے موقوفہ ہے ہی چاند چھارہ ایسی ہی خدا کسی کو بھی نہ دے تو یہ تو ہے! "مور میں اپنے اپنے انداز میں تنگ مرچ لگا کر اس بات سے جو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی تھیں۔ بس جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں صناع کا دودھ کر گلا بیٹھ گیا تھا جبکہ فاطمہ بالکل چپ تھیں انکی صبح امجد کی تدفین ہوئی۔

"تمہارے امتحان کب ہیں۔" فاطمہ نے دودھ ادا کرتے ہوئے چار دیواری میں بیٹھی سوچوں میں مصروف صناع سے پوچھا تو وہ چونک گئی فاطمہ سوال کرنے کے بعد دوبارہ جینس کے تھنوں کی طرف متوجہ ہو گئیں اور تندی سے دودھ نکالنے لگیں گرم گرم تازہ دودھ کی دھار باہنی میں گرتی تو شو آب کی عجیب آواز آئی۔ امجد کی وفات کے بعد دونوں میں بات چیت تقریباً بند تھی دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم رہیں آج بہت دن کے بعد یہ پہلی بات تھی جو فاطمہ نے اس سے کی تھی۔ "اُمی میرا جی نہیں چاہتا اسکول جانے کو۔ لڑکیوں کی عیب بچیب باتیں کرنی ہیں میری طرف اشارے کر کے ہوتی ہیں جیسے میں ان سے الگ ہوں ان کی نگاہیں الزامات کے پتھر پھینکتی ہیں میں کیسے جاؤں امتحان دینے۔" اسے دونوں کا لڑا پھوٹ نکلا وہ سسک اٹھی۔

"بس یہ امتحان دست لودھ کی بعد میں دیکھی جائے گی۔" وہ بے تاثر انداز میں بولیں اور دودھ کی باہنی اٹھا کر اندر چلی گئیں۔ تعزیت کے لیے آنے والوں کا ہاتھ بندھا ہوا تھا رات دونوں میں بیٹی تنگ کر چور ہو جاتی تھی۔ فاطمہ کو اب تو دودھ بھی خود دینا پڑا کیونکہ

مور کب سے گاؤں گیا ہوا تھا اتنا "اتنی بڑھ گئی تھے وہ ابھی تک نہیں لوتا تھا نہ اس کی کوئی خبر آئی تھی وہی بیٹھنوں کی دیکھ بھلی کرتا تھا انہیں چار ڈالنا نہ لانا دودھ دینا مولیوں کا بازار صاف کرنا پھر دودھ مقررہ جگہ پہنچانا آج کل فاطمہ پہ یہ اضافی ذمہ داری بھی آ پڑی تھی انہوں نے اپنے بڑی بھیلی سے کسی قتل اعتبار آدمی کا بندوبست کرنے کو کہا ہوا تھا جو بیٹھنوں کو سنبھال سکے اس عمر میں بھی وہ خود بہت چلتی و چوند تھیں جو ملی کے سارے کام ان کے ذمے تھے زمینوں کے محلات بھی وہی دیکھتی تھیں منشی دل محمد جب سے فوت ہوئے تھے اس کے بعد فاطمہ نے کیا کیا ملازم کا بندوبست نہیں کیا تھا اب زمینیں وہ ہی کھیتی تھیں جن کی وہ دیکھ بھلی نہیں کر سکتی تھیں منشی دل محمد کی بھی انہیں ضرورت نہیں تھی مگر چونکہ شوہر کے زمانے سے ہی وہ ان کے ہر اوتھے اس لیے وہ اپنی وضع داری کی وجہ سے خاموش تھیں۔ کیونکہ زمینیں زیادہ تر بااثر لوگوں کے قبضے میں جا چکی تھیں انہوں نے قانونی کارروائی کی کوشش کی مگر وہاں بھی شنوائی نہیں ہوئی تو تنگ بار کر وہ خاموش ہو گئیں اب گھر کا خرچ اور صناع کی تعلیم زمینوں سے ہونے والی آمدنی کی وجہ سے چل رہی تھی۔ فاطمہ بہت خود دار تھیں کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائی تھیں انکی تکیف کے بعد خود کسی کو اپنے اندر کی خبر نہیں ہونے دی صبر و شکر کے ساتھ وقت گزارا۔ وہ صناع کو بہت زیادہ پرہیزگار بھاتی تھیں انہیں سفید کپڑے میں ملبوس لڑکی ڈاکٹر بہت اچھی لگتی تھی وہ چاہتی تھیں صناع بھی بڑھ لکھ کر ڈاکٹر بن جائے تاکہ وہ سکون کی زندگی جو تھوڑی ہی رہ گئی ہے جی سکیں صناع بھی دل لگا کر پڑھ رہی تھی کہ یہ ناخوشوار واقعہ پیش آ گیا وہ بہت سبے دل کے ساتھ اسکول جاتی تھیں میٹرک کے امتحانات میں تھوڑا عرصہ ہی رہا تھا مگر اب تو اس کا پڑھنے میں دل ہی نہیں لگتا تھا لڑکیوں کی باتوں کی وجہ سے اسے دونا آتا تھا آج اس نے فاطمہ کو پہلی بار یہ بات بتائی تھی وہ بھی ایسی ہی اوٹلی اوٹلی خبریں سن چکی تھیں مگر کہنے والے کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔

انگلے سال حامد نے انتخابات میں حصہ لیتا تھا آج

کل میں اس کے امتحان ہونے والے تھے انگلے سال ڈگری کے ساتھ اس نے ایکشن کے میدان میں اترنا تھا ملت خود اسے سیاست میں حصہ لینے کا شوق نہیں تھا مگر اس کے دادا اور والد زبردستی اسے مجبور کر رہے تھے مگر اس کے ارادے کچھ اور ہی تھے جس کی ہوا ابھی تک اس نے کسی کو نہیں لگنے دی تھی۔ امجد کے چالیسویں سال فاطمہ نے اپنی واحد رشتہ دار جو ان کی خالہ زاد تھیں کو امجد کی موت کا بتایا تو وہ بہت تھکا ہوا تھا اسی وقت اپنے شوہر کے ساتھ آنے کے لیے تیار ہو گئی۔

فاخرہ "فاطمہ کی خالہ زاد بہن تھیں ان کی شادی ایک کھاتے پیتے ہمارے گھرانے میں ہوئی تھی شادی کے بعد فاخرہ شوہر کے ساتھ راولپنڈی میں مقیم تھیں ابراہیم سرکاری نوکری کرتے تھے ساتھ ہی چلنا ہوا کاروں کا شوروم تھا حامد نے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں دی تھیں بیٹا اسماعیل ڈاکٹر تھا جبکہ بڑی بیٹی ارشدہ بھی بھائی کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے میڈیکل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد باؤس جاب کر رہی تھی اس سے چھوٹی دو شائستہ سوشالوگی میں ماسٹرز کر رہی تھیں ان کا یہ چھوٹا سا گھرانہ خوشحال اور پرسکون زندگی گزار رہا تھا جو اس دور میں ایک بہت بڑی نعمت تھی۔ فاخرہ کو امجد کی موت کی اطلاع ملی تو انہیں دیکھ کے ساتھ غصہ بھی آیا کہ فاطمہ نے اکیلے ہی سب کچھ برداشت کر لیا اور انہیں نہیں بتایا۔ وہ ہنسی سے آنکھ کھٹے کا سفر طے کرنے کے بعد گاؤں اچھی ابھی پہنچی تھیں اور یہی شکوہ کر رہی تھیں کہ فاطمہ نے انہیں پوری بات بھی نہیں بتائی۔ سوچی سوچی آنکھوں والی صناع کو انہوں نے گلے لگا کر ریا کیا اور اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

"کتنی بڑی ہو گئی ہے اور پراری بھی فاطمہ تم اسے آگے ضرور پڑھانا شہر میں ایک سے ایک اچھا کالج ہے میٹرک پاس کرتے ہی تم اسے میرے پاس بھیج دینا میں خود اس کا داخلہ کراؤں گی کیوں ابراہیم۔" انہوں نے شوہر کی طرف تائید طلب نگاہوں سے دیکھا تو انہوں نے اذیت میں سر ہلادیا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں بلکہ صناع بیٹی کے کام آکر مجھے خوشی ہوگی۔" انہوں نے پاس بیٹھی صناع کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو فاطمہ کو اپنی مشکل اور بھی آسان ہوتی محسوس ہوئی۔

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ دسویں پاس کرتے ہی تمہارے پاس شریج دلوں کی جگہ بڑھ لکھ کر اپنے پاؤں پہ کھڑی ہو جائے۔" ابراہیم نے بھی ان کی بات میں ہل مانی۔ فاخرہ اور ابراہیم کے لیے انہوں نے بڑے کمرے میں بستر لگوا دیا پلنگ۔ نئی کھور کڑھائی والی چادر بچھائی اور اس کے ساتھ کاٹھک رکھا رات کے کھانے۔ دس گھنٹی والی کمر مٹی پائی ساتھ نئی والے چاول تیار کر کے صناع نے نہ نہ کرنے کے بلو جودان کا ہاتھ بنایا اور شیشے میں دودھ والی سویاں بنا کیں۔ امی کی اس عمر میں بھی کام کاج کی عادت اسے بدداشت نہیں ہوئی تھی وہ ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی مگر وہ اسے کسی کام کو بھی ہاتھ نہ لگنے دیتیں تھیں "تم صرف پڑھائی پہ دھیان دو تمہارے ابا کی روح خوش ہوگی۔" فاطمہ کی قبل از وقت بوڑھی آنکھوں میں امیدوں کے ہزار دیے جگمگاتے لگتے۔

"ابراہیم آپ نے میری بات کا برا تو نہیں مانا جو میں نے فاطمہ سے صناع کے بارے میں کہی۔" فاخرہ ان سے دھیمی آواز میں مخاطب ہوئیں تو وہ حیران سے ہو گئے۔

"ارے کون سی بات۔"

"وہی کہ میٹرک کے بعد صناع ہمارے ہاں آجائے اور کالج میں داخلہ لے آپ انکار مت کیجئے جگہ فاطمہ میری خالہ زاد ہے اس دنیا میں میری آپ کے بعد واحد رشتہ دار اور صناع اس کی بیٹی ہے لائق اور پڑھائی کی شوقین۔"

"بیکم کیسی باتیں کر رہی ہو جیسے میں اور تم کوئی غیر ہیں تم نے کیسے سوچ لیا کہ مجھے برا لگے گا یا میں انکار کردوں گا ارشدہ اور دو شائستہ میری بیٹیاں ہیں اسی طرح

منہج بھی میرے لیے بیویوں کی طرح ہے اس کے سر
 پہ تو بای کاسلیہ بھی نہیں ہے میرے لیے تو یہ فخر کی
 بات ہے کہ منہج کے سر پہ ہاتھ رکھوں۔ " وہ بڑے
 نرم لہجے میں بولے تو فخر کے سارے اندیشے جو بے
 بنیاد تھے اڑ چھو ہو گئے۔

حلد دونوں ہاتھ کرپہ باندھے مسلسل نسل رہا تھا
 رستم اور سجاد اس کی لہفت رائیٹ سے تنگ آ گئے تھے
 آج کل ان کے سالانہ امتحان ہو رہے تھے پڑھائی
 خاک ہو رہی تھی امتحان کا غم غلا کرنے کے لیے
 دوسری سرگرمیوں پہ زور تھا۔ "دیکھنا رستم میں اس
 لڑکی کو چھوڑوں گا نہیں وہ کچھ کریں گا کہ یاد کرے گی
 کب تک مجھ سے بچے گی کبھی نہ کبھی ہاتھ تو آئے گی
 اسے گھر سے اٹھوانا میرے لیے مسئلہ نہیں ہے بس
 ذرا ایہ امید والا معاملہ دب جائے پھر اس منہج کی منائی
 کو دیکھیں گے۔ " وہ خیانت سے ہنسنا تو بانی دوست بھی
 منہج کے لیے۔

"آج رات میں نے زانی جی کو بلایا ہے تم دیکھو تو
 ضرور داد دو گے غضب کا سراپا ہے۔" حلد نے تعریف
 کی توان کا اشتیاق دیکھ کر ہنس دیا۔

منہج کا سینئر شہر میں رہا تھا جو ان کے گاؤں سے کم از
 کم دو ڈھائی گھنٹے کی مسافت پہ تھا فاطمہ پریشان تھیں
 کہ ایسے اس مسئلے کا حل نکالیں اگر پیچھے کوئی گھر اور
 دیگر کاموں کی دیکھ بھل کر نہ والا ہوتا تو انہیں اتنی فکر
 نہ ہوتی اب وہ ایک اکیلی جہن اور سو بکھیرے ایسے
 وقت میں زور نہ لے ان کی مشکل آسان کی اور کہا کہ
 جب تک منہج کے امتحان ختم نہیں ہوتے وہ ان کے
 گھر اور بھینسوں کی دیکھ بھل کرے گی وہ اطمینان سے
 منہج کو چھوڑنے اور لینے جائیں ان کی ادنیٰ بیٹی کا بھی
 بھلا ہو جائے گا جو منہج کے ساتھ ہی امتحان دینے جا
 رہی تھی۔ لاری اڑے پہ دیکھیں اور تانکے کھڑے
 رہتے تھے جن کے پاس اپنی کتو نہیں تھی ان کے لیے
 شرجا ناو کی مسئلہ نہ تھا۔ مشکل تو منہج جیسی لڑکیوں

کے لیے تھی جن کے سر پہ نہ بای کاسلیہ تھا نہ بھلی کا
 ہلن والا جوہر۔ پرے کا نام تو بچے تھا فاطمہ معمول سے
 جلدی اٹھ جائیں تاکہ وقت پہ شرجا پہنچا جا سکے منہج
 کے تمام پرے پتھر و خول ہو گئے تو انہوں نے اطمینان کا
 سانس لیا۔ اب بس رزلٹ کا انتظار تھا اہل معمول
 کے کام میں لگیں رہیں اور منہج اپنی وحشت ناک
 سوچوں کے حصار میں مقید رہتی۔ رات سوتے ہوئے
 خواب میں بھی چاچا امجد کا چہرہ اسے بے چین کیے رکھتا
 کتنی بے رحمی سے ان ظالموں نے انہیں موت کے
 دہانے پہنچایا تھا حالانکہ چاچا امجد کتنے معصوم اور بے
 ضرر تھے وہ واقعی پاگل تھے جو ملک حامد پہ ہاتھ اٹھانے
 کی جرات کی اگر ہوش مند ہوتے تو ایسی حرکت کیوں
 کرتے اور نہ یوں اپنی جان سے جاتے منہج کے دل
 میں ملکوں کے لیے بست غصہ تھا اہل کے سامنے اکثر وہ
 اس کا اظہار بھی کر جاتی تو وہ اسے چپ کر لواتے۔

یہ کمرہ کیاں یہ گاؤں چھوڑنے کا تصور بھی اس
 کے لیے سہلانہ رہا تھا۔ اہل نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ
 اپنی ضرورت کی چیزیں رکھ لے تو وہ فخر اور ابراہیم کو
 اظہار کرتی ہیں تاکہ وہ آکر اسے لے جائیں۔ منہج کا
 رزلٹ آئے آج آٹھواں روز تھا اور مسلسل آٹھ روز
 سے وہ اسے یہی بات کہہ رہی تھیں سوہ شہر میں کیسے وہ
 پائے گی بے شک خالد بست پار کرنے والی تھیں ان کی
 بیٹیاں بھی ان کی طرح طمسار اور محبت کرنے والی تھیں
 یہی حال ابراہیم خانو کا تھا مگر وہ اہل کو چھوڑ کر کیسے
 جائے گی؟ آج کل یہی ایک سوال اس کے ذہن کے
 نال خانوں میں پروں رہا تھا۔

ابراہیم خانو اسے خود لینے آئے تو فاطمہ نے پہلی بار
 امجد کی موت کی حقیقت اور حلد کے بارے میں سچائی
 ان کے سامنے رکھی۔ اوتی اوتی خبریں انہیں بھی ملی
 تھیں مگر وہ ادنیٰ کم ہمتی کی وجہ سے خاموش تھے اب
 فاطمہ نے بذلت خود ان پہ اعتبار کرتے ہوئے جب یہ
 بات انہیں بتائی تو وہ پر سکون ہو گئے دل پہ رکھا بوجھ

سرک گیا ساتھ ان ماں بچی کی بے بسی انہیں غم و غصے میں مبتلا کر گئی۔

”فاطمہ بہن تم اگر چاہو تو یہ معاملہ طاقت کے ذریعے بھی حل ہو سکتا ہے میرے دوست کا بیٹا پولیس سرورس میں ہے اثر و رسوخ والا میں اس سے بات کروں تو وہ گاؤں کے تھانے میں تعینات تھانیدار سے بات کرے گا کہ جلد اپنی من مانیات کر سکے۔“

”نہیں ابراہیم بھائی خدا را ایسا مت کریں یہ خف خاندان والے تو قتل و غارت گری کے عادی ہیں یہاں کا تھانیدار ان کی منہمی میں ہے میں ممبر کر چکی ہوں اور سارا معاملہ لٹھ چھوڑ دیا ہے وہ جو کرے گا بستر کرے گا بس حامد کی طرف سے پریشانی بھی مگر اب جب صناعت آپ کے ساتھ جا رہی ہے تو مجھے یہ فکر بھی نہیں رہی ہے آپ ہر طرح سے اس کا خیال رکھنا اس کے بدلے میرے پاس آپ کے لیے دعا میں ہیں۔“

احسان مندی کے جذبات سے مغلوب تھیں۔ شرمک کا قہصلہ صناعت نے روٹی آنکھوں اور دیکھتے دل کے ساتھ ملے کیا۔ سب بہت اچھے طریقے سے ملے تاکہ اسے اجنبیت کا احساس نہ ہو۔

روشانہ نے کالج میں داخلے کے وقت اس کی بڑی مدد کی۔ داخلہ فارم پُر کرنے سے لے کر فیس جمع کروانے تک وہ اس کے ساتھ رہی۔ روشنہ نے ہی اس کے لیے گھر سے قریب تر کالج چنا جو پڑھائی کے میدان میں اپنا ایک معیار رکھتا تھا۔ مضامین منتخب کرنے میں بھی روشنہ نے اس کی مدد کی۔ جس روز کالج میں اس کا فرسٹ ڈے تھا وہ شانہ اس کے ساتھ گئی تاکہ اس کی جھجھک کم ہو سکے اور وہ سینئرز کی شرارتوں سے بھی محفوظ رہ سکے۔



ترجہ چھٹی تھی تمام افراد خانہ گھر پہ ہی تھے صناعت بھی آج دیر سے سو کر اٹھی اتوار والے دن کوئی بھی درس بچے سے ملے نہیں اٹھتا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ بھی بچن میں آگئی جہاں بوناٹا شہتہ بنا رہی تھیں خالہ فاخرہ انہیں

ناشتے کے بارے میں ہدایات دے رہی تھیں ”مٹھے ہو جاؤ ڈانٹ بھل میں سب وہیں ہیں۔“ اسے سولہ گھنٹے دیکھ کر انہوں نے محبت سے ٹوکا تو وہ شرمناک مٹی امل کی طرح خالہ فاخرہ بھی اسے کسی کام کو نہیں لگانے دیتی تھیں اسماعیل اور اریشہ اس کے بالکل کسی بڑے بھائی بہن کی طرح غصے سے رو شانہ تو اسے بہت چاہتی تھی۔ اسماعیل اور اریشہ کے برعکس وہ خاصی باوقار اور زبیرہ دل تھی اس لیے صناعت بھی اسے بہت پسند کرتی تھی۔ یونیورسٹی آنے کے بعد وہ ہر ممکن طور پر اسے اپنی دوستی کو ششیں کرتی تاکہ وہ خود کو غیر متوجہ سمجھے اور اس کی کوششوں کی بدولت ہی صناعت بہت جلدی ہوئی ایڈجسٹ ہوئی تھی اب وہ سب کے ساتھ کسی طرح ہوتی جا رہی تھی تکلف کا خول چھٹنے لگا تھا اکثر کھانے والے دن رو شانہ اسے ساتھ لے جاتے تھے کھانا بنانے سکھاتی ترج کھ رہی صناعت کو چائینیز بنانا سکھاتی تھی ہر اتوار کو وہ اسے ایک نئی ڈش سکھاتی اس طرح پڑی میں اس کے تین ماہ گزر گئے اب فرسٹ نمبر امتحان ہونے والے تھے وہ زیادہ وقت پڑھنے میں رہتی رو شانہ ہستی کہ ”تم نے تو انہیں سلانہ تصور کر لیا ہے جو یوں خندیں بھی حرام کی ہوئی ہیں وہ بس دھیر سے سے مسکارتی۔ خوب دل لگا کر اس کا تمام سہہ زوئے۔“

کالج بارہ روز کے لیے بند تھا اس نے فاخرہ خالہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اسماعیل اسماعیل سے کچھ کہا۔ وہ فوراً ”نرین کے کھانے آئے اور خود ساتھ اسے گھون چھوڑنے آئے تو کھانے سے ڈھیروں ہدایات دے کر لوٹ گئے اگر لوگوں کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ بھی فاطمہ خالہ سے ملنے پر تھی پھر ابراہیم بھی کراچی گئے ہوئے تھے جیسے سہل کمر کی ذمہ داری اسماعیل پر تھی سب اس پر کرتے تھے اماں نے کتنی دیر اسے بیٹے سے ملنا رکھنا صناعت کو بھی سکون کا احساس ہوا۔ یہ دن لگا کر اڑ گئے کوئی تا کو اور اتھہ پیش نہیں آیا اور اس

کا کان بھی آگیا۔ یہی سے اسے واپس دو بار اور بڑبڑا جانا تھا فاطمہ نے فاخرہ کو اس کے آنے کی اطلاع دی۔ روانگی کے وقت بیشہ کی طرح وہ بہت اس بھی فاطمہ بکشل اپنے آنسو چھپا رہی تھیں اسے خذ اسٹیشن پہ چھوڑنے آئیں اور نرین روانہ ہونے تک کچھ بڑھ بڑھ کر اس پر دم کرتی رہیں۔ صناعت کو اب تک وہ نظر آتی رہیں وہ ہاتھ ہلاتی رہی تہستہ لڑتے نرین سب جانے پہچانے متاظر اور چروں کو پیچھے لے گئی۔

ایک اسٹیشن سے ایک پیاری سی لڑکی اس کی ٹریک سفری اس کی گود میں کنبل میں لیٹا ہوا بچہ بھی لادیت اپنے حلیے اور سر آپ سے وہ ہرگز ایک بچے کی ماں نہیں لگ رہی تھی صناعت سے وہ خود ہی بے لطف ہو گئی کیونکہ بچی میں موجود دوسری لڑکیوں کی بات خاص لفت نہیں کراتی۔ چند دن میں منٹ لڑی لڑی صناعت سے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر چکی تھی اپنے بارے میں کچھ پوچھنے کا اس نے اس سے نہیں دیا خود صناعت میں بھی یہ خوبی نہیں تھی کہ وہ اس سے ان کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے اسے بہت بات تھی صناعت جیسے ہی اس سے اس کا نام پوچھنے کی کوشش کرتی وہ لڑکی کوئی اور قصہ کہتی۔ ”وہ سوچ کر خاموش رہی کہ چھ سلت گھٹنے کا راس ہم سفر کی بدولت اچھا کٹ جائے گا اگلے دن نرین کی تو لڑکی اسے اپنے سالن کا دھیان دے گا کہ وہ خود نیچے اتر گئی وہ کہہ رہی تھی مجھے گھر تک لگ رہی ہے کچھ کھانے کے لیے لڑی ہوں۔“

اسے دیکھتے ہی چند اور مسافر بھی ان کی بچی میں چڑھ اٹھے صناعت نے لڑکی کا ہینڈ بیگ اپنے قریب کھینچ لیا اس کی زب کھلی ہوئی تھی اندر سے فیڈر اور چند لڑکیاں ہنسنے لگیں تھیں اس نے لڑکی کی لاپرواہی پہ اسے لڑتے ہوئے بیگ کی زب بند کر دی۔ اس بارہ منٹ گزر گئے صناعت نے پوٹو کھڑکی سے لڑکی کا سامنا تو نہیں تھا تھیلوں اور ریڑھیوں پہ اسے خورد و نوش فروخت ہو رہی تھیں۔ دائیں

طرف دو کالوں کے ساتھ بسوں کا اڈا اور نیکی اسٹینڈ تھا چند رکشے بھی نظر آ رہے تھے مگر اس کی ہم سفر نہیں بھی دکھائی نہ دے رہی تھی نہ جلتے کہاں چلی گئی تھی صناعت نے ایک بار پھر کھڑکی سے سر نکال کر دیکھا جانے اسے نہیں کھا گئی تھی یا آسمان۔ صناعت کو تو اس کا نام تک پوچھنے کا موقع نہ ملا خود اپنے بارے میں ہی بتاتی رہی۔ نرین یہاں صرف چند روز منٹ کے لیے رکھی تھی مگر اب تو وہ ٹھنہ ہو چلا تھا نرین ہنوز رکی ہوئی تھی ابھی تک وہ لڑکی بھی نہیں لونی تھی اب اس کے ساتھ کے تمام مسافر باہر جھانک رہے تھے کچھ نیچے اتر گئے تھے تاکہ نرین کی روانگی میں تاخیر کا سبب معلوم کر سکیں۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دائیں طرف سے جیسے نمودار ہوئیں نرین کا سارا عملہ باہر نکل آیا۔ نرین کاٹوں پہ اعلان ہوا کہ نرین کے سب مسافر نرین کے اندر ہی اپنی اپنی جگہ موجود رہیں اگر کسی نے فرار کی کوشش کی تو تاج کا ذمہ دار خود ہو گا۔ ہر طرف پولیس ہی پولیس پھیلی ہوئی تھی ان کی اتنی نظری کی موجودگی میں کوئی پناہ بھی دیکھنے کی محنت کر سکتا تھا صناعت کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اس نے بے خیالی میں پاس پڑا ہینڈ بیگ اپنی گود میں رکھ لیا وہ اس کی مالک کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی جبکہ باقی تمام مسافر شکر اور تجسس تھے۔ اتنے میں وہ اسٹارٹ سے نوجوان ان کے کیا محنت میں کھس آئے ایک دروازے میں کھڑا رہا جبکہ دو سرائندر آیا وہ مسافروں کے سالن کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ صناعت ان کے سٹاٹھی انداز سے خائف سی ہو گئی۔ وہ سوٹ کیس کو لے کر اور نقی باکس تک کو نکل رہے تھے پھر جیسے ہی اس کی نگاہ صناعت کے گود میں رکھے ہینڈ بیگ پہ پڑی وہ تیزی سے اس پہ جھپٹا بل بھر میں بیگ کا سارا سامان باہر تھا اسے جو کچھ چاہیے تھا مل چکا تھا۔

”انسپکٹر رؤف ہری آپ ہم برآمد ہو چکا ہے فوراً“ اسے ہم ڈسپوزل عیالے کے پاس لے جاؤ وقت کم ہے میں ان محترمہ کو لے کر آتا ہوں۔“ تمام مسافروں میں خوف کی لہر دوڑ گئی جبکہ صناعت کے ہاتھوں کے طوطے ہی

اڑ گئے اس پیچیدہ صورتحال نے اس کی عقل ہی سلب کر لی روئے اور بولنے کی کوشش میں وہیں میں کر کے رہ گئی باہر ہر طرف پولیس ہی پولیس بھی مسافر مناع کے بارے میں ہی گفتگو کر رہے تھے۔
 شکل دیکھو کتنی معصوم ہے اور حرکتیں دہشت گردوں والی ہیں قرب قیامت کے آثار ہیں اب لڑکیاں بھی ان کاموں میں ملوث ہو گئی ہیں تو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے۔ ہم تو موت کے منہ میں جاتے جاتے بچے ہیں نہ جانے کیا حشر ہونا تھا۔

”بس اللہ نے ہی بچایا ہے اب ہنڈی سہل سے دور نہیں ہے صرف تو مجھے کہنے کا سفر پائی سے شاید ہم اسٹیشن پہنچا۔“ کچھ مسافر مناع کی طرف اشارے کر کر کے باتیں کر رہے تھے بلور دی لباس میں لمبوس ایک سائی مناع کے پاس چوکننا انداز میں کھڑا تھا اس کی ناگواری نے اس کا بوجھ سارے سے انکار کر دیا تھا رگمت زور ہو چکی تھی وہ قریب المرگ شخص کی طرح تھی کہ موت کا فرشتہ اب تیار کیا کہ تب تیار۔ ایک اور بلور دی نو جوان ٹرین کے اندر آ گیا۔
 ”سر اس کے اور ساتھ ہی تو فرار ہو چکے ہیں ہم کو ناکارہ بنایا جا چکا ہے میرے لیے کوئی اور حکم۔“ وہ سہل کپڑوں میں لمبوس اس نو جوان سے مخاطب تھا جس نے مناع سے ہنڈی لیا تھا۔

”اس کپڑا منشت میں موجود سب مسافروں سے بیان لیں اور سب انسپکٹر خلد سے کہیں کہ پیکل اس کی تلاشی لے لیں پھر اسے میرے پاس لانا تب تک میں جانے واردات کا نقشہ تیار کرنا ہوں۔ میں خود اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔“

اس نے اپنے ماتحت کو حکم دیا اور کانڈی کاروائیوں میں مصروف ہو گیا۔ اس خاتون پولیس نے جب اس کی تلاش پٹی تو مارے شرم اور خوف کے اس کی حالت غیر ہو گئی۔ اسے دیوار اسل کپڑوں میں لمبوس نو جوان کے پاس لایا گیا۔ اس نے اعلیٰ ہولسٹر سے ریو اور نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

”آپ لوگ کون ہیں۔“ مناع نے اس ناؤ کو صورت حال میں یہ سوال کیا۔ ریو اور بڑا رنے جواب دینے کے بجائے جیب میں ہاتھ ڈال کر سروس کارڈ نکال لیا اور اس کے سامنے کر دیا۔
 ”اے ایس بی زیادہ بار علی آفسر تین اسٹیشن ڈیوٹی۔“ وہ چاچا کر بولا تو مناع کی آنکھوں سے اندھا سا چھا گیا اسے ایسا سوال احمقانہ سا لگا۔
 ”چلو آگے تمہارا مذہم کھیل ختم ہو چکا ہے۔“ اے ایس بی نے اسے پستول سے ٹوکا دیتے ہوئے چلنے کا اشارہ کیا۔

”یقین کیجئے اس معاملے کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے یہ ہنڈی بیک میرا نہیں ہے ایک دوسری لڑکی ہے وہ پچھلے اسٹیشن سے سوار ہوئی یہاں اتر گئی کہ کھانے کے لیے کچھ لینے جا رہی ہوں میرے سامنے خیال رکھنا۔ میں اسی کا انتظار کر رہی تھی اور اس بیک گود میں رکھ لیا تاکہ کوئی چیز لوہر لوہر نہ ہو جائے مجھے کیا پتا اسی میں ہم سے اگر کچھ پتہ ہو تو اسے گود میں نہ رکھتی۔“ وہ گاڑی میں بیٹھنے تک سسٹن صفائی پیش کرتی رہی زیادہ سے اہمیت نہیں دی۔ اس نے دائر لیس سیٹ پہ ماتحتوں کو ہدایت دینی شروع کر دی۔ ہنڈی کا سٹیل مناع پہ رانٹش لے کر بیٹھا تھا جس کی خطرناک مجرم ہو۔

”آپ لوگ الٹ رہیں اور عینسی ڈرائیو رہیں۔“ بھی انوسنسی کیشن جاری رہیں وہ سری لڑکی عینسی میں فرار ہوئی ہوگی بس بھرنے میں تاہم اس نے اتنی دیر وہ انتظار کرنے کا دمک نہیں لے سکتی تھی وہ بول رہا تھا مناع نے بہت دفعہ بولنے کی کوشش کی مگر اسے ڈانٹ کر چپ کر دیا گیا۔ زیادہ کے ولز اس سیٹ پہ کوئی اہم اطلاع تھی تو اس کی ساری حیل بیدار ہو گئیں وہ سری طرف کوئی چوٹانے والی تھی۔

”میں بس ابھی آ رہا ہوں۔“ بلور دی ڈرائیو رہیں ریو ڈرائیو تک کر رہا تھا۔ زیادہ کو جو اطلاع ملی ان کے مطابق عینسی اسٹینڈ سے بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر

ہر حال کہ ہوا ہم عینسی میں پایا گیا تھا جس کے پرچے بھی اڑتے تھے تاہم کوئی جلی نقصان نہیں ہوا۔ ہنڈی ڈرائیو فٹ سے پہلے ہی ڈائریکٹر انسپکٹر جنرل کانٹن آ گیا کہ وہ لڑکی اس پکڑی جانے والی لڑکی سے پوچھ کچھ کرے۔ زیادہ مناع کو ساتھ لے کر تھلے آئینڈ کی اٹل اس نے کوئی تکی نہیں رہی تھی۔

”دیکھو سب کچھ صاف صاف بتا دو تم دہشت گردی کے الزام میں ملوث ہو یہ کوئی عام معاملہ نہیں ہے۔ تم کچھ دسے والا کرنا چاہو تمہارا وہ حشر ہو گا کہ لڑکی آئینڈ آئے والی سسٹن بھی کاتب نہیں گی۔“ ہا سے دھماکا رہا تھا جبکہ مناع مسلسل انکار کر رہی تھی ایسی صورت حال سے سابقہ پڑنے کا اس نے تصور نہ کیا تھا اس کا سوچ سوچ کر ہی برا حال ہو رہا تھا کہ اب وہ چھ بچے والی ٹرین سے ہنڈی نہیں پچھی ہوگی تو لہذا خور کے ساتھ دیگر گھروالوں کا کیا حال ہو گا۔ لڑائی اسے لہڑی ہنڈی کاشیل کے سپرد کر دیا جس کی اہل سے ہی تکی پکڑ رہی تھی۔

”لے جاؤ اسے نرمی سے بات نہ بنے تو ترکیب نمبر ۱۱۔“ زیادہ نے اسے لے جانے کا اشارہ کیا تو لڑائی نے اس کی کلائی مضبوطی سے تھام لی۔

”جست سب بتاؤ شکل سے لگ رہا ہے کہ تمہارا یہ لڑکی اس سے نئی پچھی لگ رہی ہو لوہر پہلی بار ہی اس کی بو شلش دیکھتے بتا دو ورنہ اسے ایس بی صاحب نو انوسنسی کیشن کریں گے وہ ذرا کھری لڑکی ہے جس نے تمہارے جیسی ہٹ دھرم لڑکیاں انیس سو اسی ہزار میں دو کرا خاص میں لے جا کر اپنے طریقے کو پیش کرتے ہیں کرا خاص کا مطلب سمجھتی ہو۔“ لڑائی نے اس طریقے سے کرا خاص کا لفظ ادا کیا کہ وہ شرم سے پانی ہو گئی۔

”دیکھ لے گیا مجھے تمہاری گھبراہٹ سے کہ اس لڑکی میں انڈی ہو لوہر اپنے اے ایس بی لڑکیوں کے گاہک میں بڑے بد نام ہیں اب بھی دقت ہے لیکن جاؤ لوہرات کو وہ خود لے جائیں گے۔“ فرزانہ نے ڈرایا اور ادا دے لگی۔

”میں آپ کو کیسے تعین ملاؤں کہ میں نے کچھ نہیں کیا ہے میں ہنڈی اپنی خالہ کے پاس رہتی ہوں اپنی ماں سے ملنے گئی ہوں کبھی کہ واپسی میں وہ لڑکی میرے ساتھ ہم سفر تھی۔ اللہ کی قسم مجھے نہیں پتہ کہ وہ کون تھی یا کسی دہشت گرد کے ساتھ اس کا تعلق ہے اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں اس کا بیک اپی گود میں کیوں رکھتی۔“ اس نے اپنی طرف سے مضبوط دلیل دی تو فرزانہ ہنسنے لگی۔

”پتہ نہیں تم واقعی معصوم ہو یا بن رہی ہو یہ نسلی منافرت پھیالنے والی سسٹن اپنے کارکنوں کے دل بد دل میں وہ زہر اندھلتی ہیں کہ انسان ہر حد سے گور نہ پتہ تیار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ موت کا سامنا کرتے ہوئے بھی ہاتھ نہیں لگتا۔“
 ”مگر میرا تعلق ایسی کسی تنظیم کے ساتھ نہیں ہے آپ یقین کریں۔“

”ٹھیک ہے نہ بتاؤ براے ایس بی کے آگے تمہارا رد و بدل ہونے لگے گا وہ جانتے ہیں کون کس طرح سے بول سکتا ہے اور کس سے کیا کچھ ادا کیا جاسکتا ہے جس تک پہنچا نہیں جاؤ گی اپنی جوتی پہ ہی رحم کھاؤ میں بہت نرمی سے پیش آ رہی ہوں تمہارے پاس سوچنے کے لیے تھوڑا وقت ہے سوچو میں پھر آؤں گی۔“ وہ چلی گئی مناع کا پورا جسم ہی جیسے یکدم بے جان ہو گیا۔

”اب مجھے کون بچائے گا وہ اے ایس بی آنے والا ہو گا پھر پھر اسماعیل بھائی بتاتے ہیں کہ پولیس والے بڑے سفاک ہوتے ہیں بے جان چیزوں تک سے اقرار جرم کرا لیتے ہیں پھر میری جیسی لڑکی کی کیا اہمیت ہے یہ اے ایس بی جانے کیا کرے گا۔“ وہ گھمنوں میں سر دیے روئے میں مصروف ہو گئی۔

فاطمہ بطور خاص ساتھ والے لہجے میں آتی تھیں تاکہ ابراہیم بھائی کے گھر فغان کر کے مناع کی بابت معلوم کر سکیں تیار وہ پہنچی ہے یا نہیں۔ اتفاق سے ابراہیم نے ہی خون دیکھ لیا۔ فاطمہ نے چھوٹے ہی

منع کا پوچھا۔

"منع پوچھی ہے کہ نہیں میں نے اسے بالکل ٹھیک نام پہ گاڑی میں بٹھایا تھا۔ پتہ بھی ہوگی اب تو سات بج رہے ہیں۔" کیسا یقین تھا ان کے لہجے میں۔

ابراہیم بھٹانہ سکے۔
"ہاں آگئی ہے ابھی ابھی سوئی ہے کہہ رہی تھی تھک گئی ہوں۔" انہوں نے دانستہ غلط بیانی سے کام لیا اگر وہ سچ بول دیتے تو فاطمہ پریشان ہو جاتیں مرنے کی بجائے دیر سویر ہو جاتی۔ سب فاطمہ کے فون بند کرنے کے بعد انہوں نے شیری بار ریلوے انکوائری فون کیا جہاں سے مسلسل انکھیچ فون آرہی تھی کافی دیر بعد فون ملا دوسری طرف سے بتایا گیا کہ "ٹرین راولپنڈی کی حدود میں ہے اس میں مجرم سفر کر رہے تھے جو کہ ٹرین میں دھماکہ کرنا چاہتے تھے۔ لہذا اسے روک لیا گیا تاہم مجرم پکڑے گئے ہیں۔" وہ سوچوں میں ڈوب گئے انہوں نے پھر اپنے دوست کا نمبر ڈائل کیا اور زیادہ کے بارے میں پوچھا۔

"کئی اگلی دو گھر میں نہیں ہے۔"

"کب تک آئے گا۔"

"اس کا کوئی تاہم نہیں ہے آج کل بہت مصروف ہے کچھ دیر پہلے آفس سے فون آیا تھا اور وہی کیا ہے شاید راولپنڈی آنے والی کسی ٹرین کا تذکرہ ہو رہا تھا جس میں دہشت گردی کی کارروائی کا خدشہ تھا تم پوچھ رہے ہو اس لیے مجھے یاد آگیا ہے۔" بابر نے بتایا تو وہ پریشان سے ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

"سر ٹرین والی مجرمہ کا سراغ مل گیا ہے ٹیکسی ڈرائیور نے اسے جہاں اتارا تھا وہاں سے اہم کلیو لا جس کے ذریعے ہم اس تک پہنچے اور لوگ بھی ہاتھ آئے ہیں اس لڑکی کے ساتھ چند ماہ کا بچہ بھی ہے جس کے جسم کے ساتھ ریمورٹ کنٹرول بم بندھا ہوا ملا جو یقیناً ایک اور دہشت گردی کی کارروائی میں استعمال

ہوئے والا تھا مجھے تو یہ کیس دی اینڈ ہو نا نظر آ رہا ہے۔

اسامہ حمید تنصیلات بتا رہا تھا۔

"آپ لوگوں نے تو مکمل کر دیا اتنی جلدی ان لوگوں تک پہنچ گئے میں آپ سب کو اس کا سیاب چھاپے پر مبارکباد دیتا ہوں۔" زیادہ تووصلی نگاہوں سے اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھا۔ اتنے میں فرزانہ اس کے پاس چلی آئی۔
"سر مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ لڑکی جو اپنا مناع نام بتاتی ہے واقعی بے گناہ ہے شاید وہ دھوکہ دہی کا شکار ہوئی ہے۔"

"آپ ٹھیک سمجھی ہیں اس طرح کے کیسز میں اچھے بے گناہ لوگ بھی شک کے گھیرے میں آ جاتے ہیں آپ اسے میرے پاس لائیں میں اسے اس کے گھر لے جیوانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

منع کی حالت سے لگ رہا تھا وہ بہت خوفزدہ ہے زیادہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر وہ کھڑی رہی۔

"دیکھیے محترمہ ہم معذرت خواہ ہیں ہمیں ملکہ نہیں ہوئی تھی کہ آپ کا تعلق دہلی گروہ کے ساتھ ہے ان چند شخصوں میں آپ کو جو پریشانی آئی ہے اس کے لیے میری معذرت قبول کریں۔ اب ذرا اپنا اندر رکھیں بتائیں کہ آپ کو کیا حاجت گھر بھیجا گیا ہے منع کو اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"میرا نام مناع حفدر ہے ابراہیم مکمل میرے خاں ہیں میں ان کے پاس رہتی ہوں میں ان کا فون نمبر بتا رہی ہوں وہ خود آکر مجھے لے جائیں گے۔" فرزانہ کی بات کی روشنی میں اسے ڈر لگ رہا تھا یہ نہ ہو کہ وہ اپنے گھر کے برائے وہ اسے کہیں اور لے جائے پھر شاید وہ والوں کو متہ دیکھانے کے لائق نہ رہے اس طرح کے خیالات نے اس کے ذہن دہل پے یلغار کر رہی تھی زیادہ کو نمبر جانا پچھانا سا لگ رہا تھا اسے خوشگوار سی خبر ہوئی یہ نام اور یہ فون نمبر تو بھلا کے عزیز ترین دوست تھا۔

اس نے انہیں خود فون کر کے مختصر "ہمناہو" کہا۔

دائے اور ابراہیم انکل سے پھر معذرت چاہی۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ابراہیم اس کے پاس تھے منع انہیں دیکھتے ان رونے لگی تو زیادہ اسے سرفروغ مند ہو گیا۔

مارے خوف کے منع کو اس رات نیند ہی نہیں آئی ساتے میں اٹھ بیٹھی کیسا دلچسپ اور بھیانک تجربہ تھا اگر سچ خالو اس وقت آنہ جاتے تو جانے وہ اسے ایسے لپٹا کر کیا مٹا کر تباہ سوال خود سے اس نے کتنی بار کیا کہ اسم اسم سی گئی۔

اساہیل اپنی ساتھی ڈاکٹر شہناز میں انٹرنل معاذ دلوں کی ڈیوٹی پر تین سہل قبل منتقل ہوئی تھی اور شہ کی انت طے کی خاندان میں اپنے ہی ایک کزن کے ساتھ اب دونوں بھائی بہن کی ساتھ شادی ہونا تھی۔
دشانیہ بہت خوش تھی مزے سے بازاروں کے چکر لگا رہی تھی دونوں بہنیں اکثر منع کو بھی ساتھ لے جاتیں۔ ہر چیز کی خریداری کے لیے اس کی رائے لی جاتی تھیں بڑے سینے کے لیے ناخن دے درزی گھر میں بٹھایا ہوا تھا بہت وقت مشینوں کی گھیر و گھر سنائی دیتی۔ منع کو رات بھر جانی ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ شام میں مکمل اور لڑکیوں کی لڑکیوں و خواتین چلی آئیں پھر چائے کا دور رات سننے تک چلتا۔ ڈھول بے گانے گانے جاتے تھے لڑکیوں کو جب تک سب تھک کر چور نہ ہو جاتے وہ نام نہ لیتے کچھ کمرے دور کے سہانوں کے لیے خالی کرائے تھے تو منع کو بھی اپنا کمرہ چھوڑنے کی ہالہ دینی پڑی۔

دشانیہ الگ کمرہ چھوڑتی ہوئی تھی ساتھ منع کو لے لایا ہوا تھا دونوں نے نا تجربہ کاری کے باوجود اکثر اپنے ذمے لیے ہوئے تھے۔ دشانیہ تو بار بار اس کا کہہ کر کہتی کہ۔

"اگر تم نہ ہو تو میں کیا کرتی اس کے لیے میں دل" مان مندی ہوئی کہ وہ خواہوا شرمندہ ہو جاتی۔
ایک دشانیہ بہت اچھی لگتی تھی اتنی اچھی کہ بعض اوقات اس کا جی چاہتا کاش اس کا ایک بھائی ہوتا تو وہ

بھٹ اسے اپنی بھابی بتا لیتی اس بات کا ذکر اس نے دشانیہ سے بھی کر دیا تو وہ ہنس ہنس کر دھری ہوئی۔

"تھیںکس گاؤں تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے جب تم مجھے اپنی بھابی بنا کر لے جائیں تو مجھے خور جلا کر روٹیاں پکھلی پڑیں تو میں سے پانی بھرنا پڑا۔ ایلے تھا پنے پڑتے اور بھیسوں کی رکھوائی کرنی پڑی۔" دشانیہ نے پانی لکھ لکھ لکھ لکھ اس کے سامنے کر دیا۔ "اور میرے ہاتھوں کا ستیا نام ہو جاتا رنگ کلا پڑ جاتا اہ نو۔" امیا سہل "اس نے سالی کے کتا کر دی۔ منع بھی اس کی مستقبل کی منظر کشی پر ہنس پڑی۔

اساں تیری گل کرنی
گل کرنی اسے ڈیڈی ہاں
اساں تیری گل کرنی

عباس پوسے سوڈ میں نیل پہ ہاتھ بجا بجا کر گارہا تھا۔ زیادہ کو آتے دیکھ کر اس کے گانے میں اور بھی شوخی آگئی اب تو یقیناً بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔

"بھائی لب تو آپ شادی کر ڈالیں میں تاکہ میرا راستہ بھی صاف ہو۔" وہ بے حد مسکینی سے بولا۔
فضان نے بڑے بھائی سے نظریہ کر اس کی پیٹھ چھکی مگر زیادہ کی عقلی نگاہوں سے یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی۔

"آخر تم میری شادی کی فکر میں اتنے دے کیوں ہو رہے ہو۔" وہ جوتے اتارتے ہوئے بولا تو عباس اپنے تئیں بڑے دور کی کوڑی لایا۔

"اب آپ ستائیس سال کے ہو گئے ہیں بوڑھے ہو رہے ہیں آپ میرے حساب سے تو آپ کی شادی سات سال پہلے ہی ہو جانی چاہیے تھی کیونکہ بھائی کہتے ہیں کہ شادی بیس سال کی عمر میں ہونی چاہیے جبکہ میں پائیس سال کا ہو چکا ہوں مگر کسی کو میری فکر نہیں ہے آپ کو اپنی جوانی کی پروانہ سی مگر میری جوانی پر ترس کھائیں۔" وہ اس لہجے میں بولا زیادہ کی ہنسی چھوٹ

”آپ نے ہمارے گھر آکر جو تھکادیے

آنکھوں میں اشارہ کیا۔

”اے من ہے“ عباس نے انگوٹھے کو بلایا۔

”مجھے بھی بھائی کے لیے اچھی لگی ہے۔“ جواباً

فیضان نے بھی اسے اشارے سے بتایا۔ وہ دونوں کرید

کرید کر منہ سے اس کے مشاغل اور پسند و ناپسند کے

بارے میں پوچھ رہے تھے وہ بچاری تو ان کے تعقیبی

انداز سے سخت آگاہی روشنائی بھی تو اسے ان دونوں کے

پاس اکیلا بھٹکا کر خاطر مزاج کا بہت نام کرنے چلی گئی تھی

وہ دونوں اسٹنڈ ہانگ سوالات کے ذریعے اسے مسلسل

عاجز کر رہے تھے اس کی مدنی صورت دیکھ کر ان کی

زبان بند ہوئی تو موقتہ غیبت جان کر باہر آگئی۔

”بڑے بھائی کے ساتھ کتنی اچھی لگے گی میں اگر

ہماری کوئی بہن ہو تو یقیناً“ صناع کی طرح ہوتی

میں معصوم سادہ اور پیاری سی۔“ عباس نے اس کے

اٹھ کر چلے جانے کے بعد کہا فیضان اس سے پوری

طرح متفق تھی۔

”بھائی کے معمولات پر نظر رکھو کہیں مڑ بڑ تو نہیں

ہے تاکہ ہم انہیں رکنے ہاتھوں پکڑ سکیں اور بیڑیاں

پہنا سکیں۔“ عباس بڑے بزرگانہ انداز میں معتبر سامنا

چھوٹے بھائی کو ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے بھی پورا

پورا عمل کر دکھایا اور باقاعدہ زیادتی ایک ایک حرکت

نوٹ کرنے لگا کہ کب انھے کیا دکھایا کہیں گئے اور رات

کو کتنے بجے سوئے رفیق کون سا استعمال کیا اسے ٹیلی

فون کرنے والے کون کون تھے نیز وہ اس میں یا خوش

بیوزک میں کس کون رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کی

غیر موجودگی میں اس کے بیڑیوں کی تلاشی بھی لی جاتی۔

گھر اب تک کی جانے والی تمام کوششوں میں

سوائے ناگہمی کے کچھ ہاتھ نہ آیا تھا اور عباس کی

جنینا ہر صبح جاری تھی۔

استری شدہ تمام کپڑے صناع نے بڑے سلیقے سے

ہینگر میں لٹکا دیے تھے صرف اریٹہ آئی کا پلا سوٹ بھائی

تھا جس پر خالصہ فاخرہ مکیش لگا رہی تھیں۔ صناع

”آپ کیا بات ہے“ سکیلے ہاتھ دوپٹے سے صاف

کرتی وہ ادھر ہی آ رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے

دروازے سے ہی دو اجنبی لڑکوں کو دیکھ کر وہ وہیں رک

گئی۔ عباس قیامت کی نظر رکھتا تھا اسے دیکھتے ہی

پوچھ لیا کہ یہ وہی لڑکی ہے۔ روشنائی اس کی گھبراہٹ

بھانپ گئی اسے دوبارہ بلایا۔

”گندہ آؤ میں تمہیں ان آفت کے پرکالوں سے

لمواؤں۔“ روشنائی خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی وہ

تجنگ رہی تھی۔

”صناع یہ اسے ایسے ہی زیاد علی کے چھوٹے بھائی

عباس اور فیضان ہیں اور یہ میری پیاری سی کزن صناع

ہے یہاں بڑھنے آئی ہے۔“ عباس کا ذہن ایک ہی

جیلے پہ ایک گیا کہ یہ اسے ایسے ہی زیاد علی کے چھوٹے

بھائی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بھائی کو پہلے سے

جانتی ہے ورنہ روشنائی بھائی کا حوالہ نہ دیتی اور پھر جان

پوچھنے کے بغیر بھائی کی گاڑی میں کیسے بیٹھ سکتی تھی۔

عباس اور فیضان نے ایک دوسرے کو آنکھوں

موقتہ غیبت جان کر ذرا آرام کرنے لیٹ گئی۔ اب

بھی ایک دو روز میں راولپنڈی آنے والی تھیں سولن

سے ملنے کی خوشی ہر چیز بھاری تھی اس بھری دنیا میں

اب وہی تو اس کے لیے سب کچھ تھیں مگر مل ہی دل

میں کچھ پریشان بھی تھی کہ کیسے اب اس کی پریشانی کا

سبب نہ جان لیں آخر ماں تھیں اس کے غموں اور

پریشانیوں سے کیسے انجان رہ سکتی تھیں اچانک کسی

نے اس کا گندھا لپٹا لیا۔

”اے صناع! انھو وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور تم

ابھی تک سرمہ لیٹے بڑی ہو جلدی سے تیار ہو جاؤ آپنی

کے سسرالی دھوم دھڑکے سمیت آنے ہی والے ہوں

کے اور تم ہو کہ۔“ حد ہو گئی یار۔“ روشنائی نے پھر اسے

تنبہ دیا تو وہ اٹھ بیٹھی روشنائی خفلی بھری نگاہوں سے

اسے دیکھ رہی تھی۔

”میں نے تمہارے کپڑے نکال دیے ہیں بہن کر

ڈرا۔“ آؤ اب کوئی معافی نہیں ہے۔“ وہ اسے پار

بھری ڈانٹ پلا کر چلی گئی۔ فریج شفٹوں کا پیلا سوٹ

اور ساتھ ہی مکیش کا پیلا پلین ڈو پٹہ تھا فیض سبز

اور پیلے دو رنگوں میں تھی یہ سادہ سا سوٹ خالصتاً اس

کی اپنی پسند تھا۔ روشنائی تیار ہو چکی تھی اور اسی کا

انتظار کر رہی تھی۔

”یار ذرا مسکرا دو لگ رہا ہے ڈانٹ کھا کر آدمی

ہو۔“ اسے منہ پر ہاتھ رکھ کر وہ ہنسی۔

”ادھر آؤ یہ لپ اسٹک لگاؤں اور پلکوں پر مسکراتو

خوب ہے گا۔“ روشنائی اسے اپنے آگے بٹھا کر اس

کے چہرے کے ساتھ معصوم ہو گئی۔

”گندہ اب لگ رہی ہو میں صناع۔“ وہ آہستہ میں

اس کا سر اٹھا کر دکھاتے ہوئے داد چلا رہی تھی۔

”چلو اب موڈ درست کرو اور یہ پھولوں کی ٹکڑیاں

اپنی ٹکڑی میں سنبھال کر رکھو ضرورت پڑے گی تو میں تم

سے ہی مانگوں گی۔“ روشنائی پیار سے اس کا گل

ہلاتی باہر نکل گئی تو صناع نے اس کی ہدایت پر عمل

کرنا شروع کر دیا۔ مہلن آنا شروع ہو گئے تھے۔

اسا میل کے سسرالی مندی کی رسم کرنے آرہے تھے

جبکہ اریٹہ کے سسرال والے اسے مایوں بٹھائے آ

رہے تھے وہ لاؤ فنکشن تھے سب بوکھلائے ہوئے تھے

کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ زیاد اپنی پوری فیملی

سمیت مدعو تھا۔ عباس خوب چمک رہا تھا وہ جیوں بھائی

اس وقت اسماعیل کے پاس ہی تھے جو اس بات پر اڑ گیا

تھا کہ وہ مندی کی فضول سی رسم میں بالکل حصہ نہیں

لے گا اور نہ مندی لگوائے گا۔ سب اس سے رنج ہو

گئے تھے کہ عین وقت پر وہ کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔ روشنائی

زیادہ کے پاس چلی آئی۔ ”آپ ہی بھائی کو سمجھا میں میں

خواجہ خواجہ ضد کر رہے ہیں مندی نہیں لگواؤں گا بھلا

شعلا بھابی کے رشتہ دار کیا کہیں گے کہ ہم کتنے

دقیانوی ہیں۔“ اسماعیل تک آگیا۔

”اچھا کر لو جو کرنا ہے۔“ اس نے اپنی جان چھڑائی۔

لوہر عباس اور فیضان زیادہ کے دوستوں سے راز دارانہ

انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

”زلفی بھائی جب اسماعیل بھائی مندی والی چوکی

سے انہیں گے تو آپ نے دھکا دے کر زیاد بھائی کو اس

پر بٹھانا ہے تاکہ یہ روٹی نہ شادیاں ہمارے گھر کا بھی

حصہ بنیں۔“ اس کے منہ میں بے پناہ حسرت تھی

روشنائی بھی پاس کھڑی تھی اس کی بات سن کر اس کے

دل میں گدگدی سی ہونے لگی اس نے صدف دل سے

آمین تم آمین کہہ سبزو سنہری دوپٹے کے پلے میں

صناع روشنائی دیکر لڑکیوں سمیت اسماعیل بھائی کو رسم

کرنے کے لیے باہر لائی تو فیضان اور عباس کی تلاشی

نگاہوں کو قرار آگیا اب ان کی نظر بیک وقت صناع اور

زیادہ تھی مگر وہ تو بالکل بھی ایک دوسرے کی طرف

نہیں دیکھ رہے تھے۔

”میں بیوقوف بنا رہے ہیں کہ بھید نہ کھل

جائے۔“ عباس بڑے دور کی کوڑی لایا تو فیضان فقط سر

ہلا کر رہ گیا۔ بھائی کی کسی بات کو بھی جھٹلانا ویسے بھی

اس کے بس کی بات نہ تھی بڑوہ بازو وہ اپنی ہر بات کی

تائید اس سے کروا کر دم لیتا تھا اس کی کہیں جیل کہ

چوں بھی کرتا سو اس کی ہاں میں ہاں ملائے میں ہی

بھرتی تھی۔ رسم کے بعد کھانا سرو ہوا تو صناع انہیں

کبھی بھی نظر نہ آئی۔

”بھائی آج آپ نے یہ سفید شلوار سوٹ زیب تن کرنا ہے آپ اس میں بہت اچھے لگتے ہیں ویسے بھی میں آپ کو یونیفارم میں دیکھ کر انا کیا ہوں۔“ زیادہ چونک گیا مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔
”یہ ہشوگ کس سلسلے میں ہو رہی ہے کہیں پیسے تو نہیں چاہیں۔“ زیادہ نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا تو وہ تڑپ گیا۔

”آپ بھائی مجھے اتنا خوشامدی تصور کرتے ہیں جبکہ میں آپ کے بڑا بھائی ہونے کے باطن سے آپ کی خدمت فرض سمجھتا ہوں۔“ جذباتی اداکاری میں عباس کا کوئی ثانی نہ تھا۔
”بہت خوب یہ فرض تمہیں غالباً پہلے یاد نہیں تھا۔“ زیادہ نے اس پہ لطیف سا طعنے لگا دیے اور اس کے ہاتھ سے کپڑے لے لیے۔

اسما بیل کی دوسری تہی اور ایشہ جاری تھی اس کی رخصتی پہ مناع بہت روٹی اور تو اور روشانہ نے بھی رونے کے تمام ریزکار ڈھونڈ لیے اب صبح اسما بیل کی زیارت تھی مناع موقع ملے ہی سوئی وہ بہت تھکی ہوئی تھی مگر اس عالم میں بھی اسے ایسا کی یاد ہری طرح سنا رہی تھی انہوں نے اطلاع بھجوائی تھی کہ وہ نہیں آ سکتیں اپنے نہ آنے کی وجہ انہوں نے نہیں بتائی تھی اس لیے اس کا ریشہ بونا لازمی امر تھا اس وجہ سے وہ شادی کے بجائے گھر کو بھی انجوائے نہیں کر پاری تھی۔ لڑکیاں اندر دوسن کے پاس تھکی ہوئی تھیں اسے باہر لایا جانے والا تھا مناع اس ہنگام سے الگ ہی تھی ابھی گھر اور اجنبی چروں کے درمیان وہ بہت بڑا اطمینانی محسوس کر رہی تھی۔ اسما بیل نے سسرالی خاصے امیر تھے ان کے گھر کو دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا۔ اپنی سچوں میں مگن وہ آتے جاتے چروں کو دیکھ رہی تھی کہ ”معا“ ایک لڑکے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر جیروں نہ گئی اچانک یہ حیرانی خوف میں بدل گئی

اس نے اسے حامد کے ساتھ اکثر دیکھا تھا اس روز گاڑی میں بھی وہ اس کے ساتھ تھا۔ قلم قریب آ جا رہا تھا مناع کا خوف سراپائی میں بدل گیا وہ سوچے سمجھے بغیر ایک طرف کو بھاگ نکلتی ہوئی اگر زیادہ سے قہار نہ لیتا تو وہ زمین بوس ہو چکی ہوئی بڑی سخت نگرہ ہوئی تھی اس کی آنکھوں کے آگے تارے سے تاج گئے اور آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ زیادہ اسے اچھی طرح پہچان چکا تھا اسما بیل کے گھر شادی کے دوران اسے کئی بار دیکھا تھا۔

”یا وحشت آپ ہر وقت اتنی گھبرائی گھبرائی اور بوکھلائی سی کیوں رہتی ہیں دیکھ کر چلا کریں۔“ وہ اسے مشورہ دے کر مڑا مگر فوراً ”پہلے والی پوزیشن میں آگیا کوئی چیز اسے کرتے کے ٹخن میں اچھتی محسوس ہوئی۔ مناع کے لیے سے پرانہ سے کا آخری سرے کا کچھ دھاگہ اس کے کرتے کے ٹخن میں ایک گھرا تھا وہ شرمندہ سی ہو کر پرانہ سے کو اپنی طرف کھینچنے لگی تو دھاگہ ٹخن سے الگ ہو گیا۔ اسے فحش نے ان گھیر لیا روشانی نے اسے کتنا کتا تھا کہ آن جیٹی کھینے رکھو مگر وہ نہ ملتی تھی اور پاؤں میں پرانہ ڈالنے کو اولیت دی۔ یہ پرانہ ان کے گادوں میں عورتیں اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی تھیں یہاں شموں میں یہ ایسے داموں فروخت ہوتے تھے۔ مناع کے لیے یہ رتھیں دھاگوں سے بنا پرانہ اہل نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔ وہ افسوس سے پرانہ سے کو دیکھ رہی تھی جس کا آخری سرا ٹوٹ کر عجیب سا لنگ رہا تھا اس منظر کو عباس نے بھی دیکھا اور اس کے قریب چلا آیا مناع سوں سوں کر رہی تھی۔

”بہت زور کی نگر ہوئی ہے۔“ عباس نے اپنے لیے میں ہم دوسری سموی تو مناع کو اس وقت اس کا ساتھ بڑا قیمتی لگا۔
”میں پریشان سی تھی میرے پرانہ سے کا آخری سرا بھی ٹوٹ گیا۔“ وہ دوسری سے بتا رہی تھی ”ہاں اس کا آخری سرا ٹوٹ کر۔“ عباس شرات سے آنکھیں نہچا کر رہ گیا مناع نے چیخے مڑ کر دیکھا تو وہ لڑکا وہاں

نہیں تھا شاید عباس کو دیکھ کر تو چکر ہو چکا تھا۔

”خوب یہ مناع اب راولپنڈی میں اپنی منامیاں لہیر رہی ہیں ہم لوں محروم رہیں خواہ مخواہ اتنے عرصے فارہ نہ آ رہا اور یہ ادھر چھپی رہی اس کا تو میں۔“ حامد نے تن فین کر رہا تھا اس وقت وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تھا وہ سہم نے ابھی کچھ دیر پہلے اسے بتایا تھا کہ ”ہاں اس کی مطلوبہ لڑکی سرجن مکمل احمد کے گھر ان کی لڑکی شادی میں موجود تھی۔ حامد نے فون کر کے بتائی کہ اس کو بھی بلوایا اب چاروں سر جوڑے اسے اپنے چور و فکر کر رہے تھے کہ کیسے مناع کا سراغ لگایا جائے۔

”اس دن سڑک پہ بھی ہاتھ آتے آتے بچ گئی مجھے نہیں ہے کہ اس کے رشتہ دار اتنی اپروچ والے ہیں۔“

”ہاں یا ر حامد وہ اسے ایسا ہی زیادہ علی کے بھائی سے لگا ہوا تھا کہ وہی تھی اور کیا بتاؤں کہ کیسی لگ رہی تھی اس وقت تاہم کوئی چیز لگ رہی تھی۔ یہی آکر تو ”ہاتھ سے زندہ نکھر گئی ہے۔“ رسم بے ہودگی سے وہاں پرانہ نے اس کی بات پہ دھیان نہیں دیا وہ اپنی دکان میں دوبارہ تھا۔

”سرجن مکمل اسے ایسا ہی زیادہ علی اور اس کا بھائی۔“ انفران سب کا مناع کے ساتھ کیا تعلق ہے۔“ حامد نے انکار کیا۔ حامد کو مہل بڑے ملک نے کوٹھی لے کر دی ہوئی تھی ضرورت و سہولت کی ہر چیز یہاں موجود تھی ایک بلی، ایک چوکیدار، ایک خانسالی لور صفائی کرنے والی عورت ملازمین میں شامل تھی۔ دو منگی لڑکیاں پورج میں کھڑی تھیں کھانا جیب خرچ ملتا تھا اسے روز دو دوستوں کے ساتھ موج اڑاتا رسوائے المانہ مودتوں کو گھرا لیا۔ برصائی کے نام پہ وہ ان مشاغل میں مگن تھا کالج بھی صرف چھرا دکھانے یہ آنکھیں نہ ملتا جاتا۔ ملک انکار اور ملک منصور کو اس کی تمام لڑائی کی خبر تھی مگر وہ قصداً بے خبر بنے ہوئے تھے کہ

چھوٹے ملک کی ”نور تار“ بنی رہے۔ مناع حامد کی فطری کینٹکی کے لیے کھلا چیلنج بن گئی تھی اور اسے دوستوں نے اس آگ کو اور بھی ہوا دے دی تھی۔ مناع کا غرور پہلی کرنا اس کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہو چلا تھا۔

دلہیمے والے دن مناع حتی الامکان کسی بھی سرگرمی میں حصہ لینے سے دانت گریز کرتی رہی۔ شہلا بھی کسی سمنانوں کے ساتھ سوئی بن رہی تھی روشانہ زہرہ سستی اسے بھی ساتھ لے گئی اور شہلا بھی مناع کے ساتھ تھا۔ اب وہ یہاں سے اٹھنا چاہتی تھی مگر بھینٹ بھانڈ کی وجہ سے ایسا ناممکن سا لگ رہا تھا۔ نکلنے کی کوشش کرنے لگی اسے اس بات کا ذکر کا سا تھا کہ شاید آج بھی حامد کا دوست اسے کہیں دیکھ نہ لے وہ تنہی سے آگے بڑھ رہی تھی کہ کرتے کرتے بچ بچہ پر بار اس فحش سے عجیب صورت حال میں نگرانی تھی لڑکیوں کی دلی دلی انہی کی توازیں اسے شرمندہ کر رہی تھیں۔ روشانہ نے ہی اتنا لہجہ ڈبڈب اس کے سوت کے ساتھ ڈیرا بن کیا تھا کہ چوڑی دار پارا بچاے کے ساتھ اچھا لگے۔

خفت کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے کیونکہ زیادہ نے بگڑے تیروں سمیت اسے کوئی بات کہی تھی جو شور کی وجہ سے وہ سن نہ سکی تھی۔

فاقہ بابر علی نے اسما بیل اور شہلا سمیت فون تمام گھر والوں کو ڈنر پہ انوائٹ کیا تھا خانہ خرو خود تو نہیں گئیں البتہ روشانہ لور مناع کو بوسہ دینے کے ساتھ بھیج دیا۔ روشانہ آج بہت پارہی لگ رہی تھی مناع نے اس کی تعریف کی تو وہ کھل اٹھی۔ وہ تو ”بابر منیل“ آتی جاتی رہتی تھی البتہ مناع آج پہلی بار آئی تھی فیضان لور عباس اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ روشانہ کا دل زیادہ کوند پا کر بچھ سا گیا اپنی اتنی زیادہ محنت اسے مناع ہوئی محسوس ہوئی جب کوئی دیکھنے والا ہی نہ تھا۔ ان

دولوں بھائیوں نے مناع کو پورا گھر دکھایا ایک ایک چیز کے بارے میں بتایا مناع حقیقی معنوں میں پہلی بار ان کے خلوص و انکساف سے متاثر ہوئی تھی اور ان کی ہنس بھنے پر راضی ہو گئی تھی اسے بھی تو ایک عدد بھائی کا شوق تھا اور یہاں ایک چھوڑا ہوا بھائی تھا۔ عباس نے اس یادگار موقع پر خوب صورت سا فرزند شب جینا اس کی کٹائی پر باندھا فیضان نے اسے قیمتی سا پرفیوم گفٹ کیا اب وہ اسے زیادہ کا بیڑہ دم دکھا رہا تھا اور ساتھ ہی اس کی پسند و ناپسند کے بارے میں بتا رہا تھا پھر اس نے تصویروں والا اہم کھول کر زیادہ کی بچھن سے لے کر جوانی تک کی تصویریں اسے دکھائیں عباس اور مناع کاریٹ اور فیضان ان کے ساتھ صوفے پر آگے کی طرف جھکا ہوا تھا جب آہستگی سے دروازہ کھلا۔ زیادہ وہیں دروازے پر دکھ گیا اسے بے پناہ غصہ تھا کہ اس لڑکی کو لے کر بیڑہ دم میں بیٹھنے کی کیا تنگ تھی وہ کھڑے کھڑے مہمانوں سے ٹک کر آیا تھا تاکہ یونین فارم سے جان چھڑا کر فریش ہو سکے اور یہاں عباس و فیضان دو شانہ کی کزن کو مزے سے اس کی تصویریں دکھا رہے تھے وہ اپنے بیڑہ دم میں کسی تیسرے کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

”عباس اور فیضان فوراً یاہر نکلے۔“ اس نے سارے لحاظ بلائے طاق رکھ دیے۔ وہ دونوں بھائی کے اس اجنبی رویے سے خائف تھے ہو گئے کہ مناع کیا کہے گی اس توہین پر اس کا چہرہ گلابی سے سرخ ہو گیا وہ سب سے پہلے باہر نکلی اس کے پیچھے پیچھے وہ بھی آگئے پھر اپنی جینٹل مٹائے اور بھائی کے رویے کی سختی دہرانے کے لیے وہ مسلسل مناع سے ہنس ہنس کر اوپر اوپر کی باتیں کرتے رہے اوپر مناع شرمندہ سی تھی کہ اس نے اس منظور شخص کے بیڑہ دم میں قدم ہی کیوں رکھا؟ وہ دونوں بھائیوں کے ساتھ اس کا موازنہ کرنے لگی عباس اور فیضان کہتے خوش مزاج اور معصوم تھے اسے وہ سن پولیس فرزانہ کی بات یاد آگئی جو اس نے زیادہ کے بارے میں کسی بھی اسب تو جیج سے اسے اس کو جو ان سے ڈر گئے لگا تھا وہ جھجھکی لے کر

رہ گئی اگر وہ واقعی تھانے میں اس کے ہتھے چڑھ جاتی تو وہ اصرار عباس بھائی کے رویے سے الجھ گیا تھا وہ مناع کو روشنائی کے پاس آیا اب وہ چاروں کمر کھیل رہے تھے مگر مناع کے دل سے شرمندگی کا احساس زائل نہیں ہو پارہا تھا جانتے وقت وہ سب سے پہلے گاڑی میں بیٹھی تو عباس کے دل سے تاسف کی لہری اٹھی وہ بھائی سے بچ بچ ناراض ہو گیا۔

دو چار روز تو زیادہ اس کے پھولے سوز کو دکھتا رہا پھر اس سے برداشت نہ ہو اتو وہ خفگی کا سبب پوچھ بیٹھا اور وہ پھٹ پڑا۔

”وہ ہماری مسمان تھی بلکہ میں نے اسے ہنس بھانسا ہے کیا ہوا اگر میں نے اسے آپ کے بیڑہ دم میں بیٹھا دیا آپ نے کتنا سلیبی ہو کیا وہ کیا سوچتی ہوگی ہم نے اسے ال مینوڈ ہیں جو گھر لائے کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔“ فرط جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ زیادہ نے اپنی حیرانگی سے اس کی جذباتی کیفیت کو دیکھا۔

”اچھا یار سوری آئندہ تم اپنی ہنس کو بے شک میرے بیڑہ دم میں جب تک دل چاہے بٹھانا۔“ عباس زیادہ کے اس فقرے پر یکدم شانت سا ہو گیا اسے اپنے سر سے منوں بوجھ سرکنا محسوس ہوا۔

”بہت خوب گویا بھائی ہمیں بتا رہے تھے۔“ عباس نے دل میں بولا اور صبح جو انداز میں مسکرایا۔

”عباس بھائی انھیں ورنہ میں پانی کا جگ آپ کے اوپر اندر مل دوں گا۔“ وہ سچ بھائی اس کے سر پر گراں کو تیار کرتا تھا۔ عباس لطف پرے کرنا اٹھ بیٹھا۔

”ظالم انسان چھٹی کے دن تو سوسلے لیا کرو۔“ ”دن کے گیارہ بج رہے ہیں دراصل مناع نے بے ہمتی سے دن ہو گئے ہیں کیوں نہ آج ان کی طرف چلیں اگر آپ میرے پروگرام سے متفق ہیں تو فوراً انھیں ورنہ میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔“ ”توئے اکیلا جا کے تو دکھا۔“ اس نے نڈر سے کہا اور بار بار جاتے فیضان کے گریبان کا کار پکڑ لیا۔

کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔ نوکر زیادہ کو اٹھانے آیا۔ تین بہت دنوں کے بعد وہ اتنی بھرپور نیند سویا تھا۔ اٹھانے کی بجائے تینوں بھائی اکٹھے تھے۔

”ہمیں اس میں کسی کا بھی قصور نہ تھا باپو اپنا رویہ اور صاف کر رہے تھے کہ اچانک۔“ حلد کی آواز مارے ندامت کے لرز رہی تھی پھر وہ اچانک ان کی گود میں سر رکھ کر رو پڑا۔ وہ ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھیں جیسے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ حلد امتحان دے کر کل ہی آیا تھا اور آج ان کے یہاں موجود تھا۔

”میں نے معاف کیا۔“ قاطعہ کی بے تاثر آواز ابھری تو وہ سیدھا ہو گیا اور اوپر اوپر کی باتیں کرنے لگا۔

”میں نے ارادہ کیا ہے اب اپنی سے بات کر کے تب کی زمین واپس دلوادوں گا جو فضل خلیں اور اظہر چوہدری نے دہائی ہوئی ہے اس سلسلے میں جتنے بھی میسے لگے ہم دیں گے۔ آپ واپس کی فکر مت کرنا۔“ ”مجھے السوس ہے کہ سلسلے بھی اس بات کا خیال ہی نہیں آیا۔ یہ کچھ پیسے رکھ لیں کام آئیں گے آخر مناع شرم کے کالج میں پڑھتی ہے بہت خرچہ آتا ہو گا۔“ قاطعہ کا دل اس کے آخری فقروں پر کھٹ گیا۔ وہ نوٹوں کی گڈی ان کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔

”میں نہیں اس کی ضرورت نہیں۔“ وہ خود کو سنبھال کر بولیں۔

”چلیں آپ کی مرضی اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے ضرورت تائیں میں ذرا دھ دلا دے گا اس میں ہی ہوں کیونکہ کالج سے فاسل ہو گیا ہوں اب یونیورسٹی میں داخلہ لوں گا۔ ویسے مناع کے بھی امتحان ہو گئے ہوں گے۔“ اس نے اپنا الجھہ بختس سے عاری ہی دکھا

تھا۔

”یہنا مجھے کیا پتا امتحان کا۔“ وہ نرم لہجے میں بولیں کیونکہ وقت کا تقاضہ ہی تھا کہ وہ مصلحت سے کام لیں ورنہ یہ زہر بلا سانپ طیش میں آ کر انہیں بھی کٹ سکتا تھا۔ زمین کی بات۔ ان کا ذہن ماضی میں چلا گیا تھا صندرنے انہیں بتایا تھا کہ ہماری بہت سی زمین ملکوں

نے فضل خان اور انھیں چوہدری کے ساتھ ساز باز کر کے قبضے میں کر لیا ہے اور وہ نہیں چھڑا سکتے کیونکہ ان میں اتنی طاقت نہیں ہے وہ ان با اثر لوگوں سے ٹکر لے سکیں کیونکہ ان کے مقابلے پر ان کی افرادی قوت صفر ہے وہ اپنے خاندان کا اکیلا دار شعبہ اس بات کے کچھ عرصے بعد صفر فوت ہو گئے تو فاطمہ نے زمین جائیداد کا تصور ہی ذہن سے نکل دیا۔ ان کا جب صفر کا رشتہ طے ہوا تھا تو پہلی بار صفر کا نام لے کر انہیں چھیڑ تھیں کہ ”فاطمہ تم کتنی خوش قسمت ہو جسے زمینوں باغوں کا مالک پیاہ کر لے جا رہا ہے آگے چلے جا رہے ہیں۔“ مگر وہ باغات اب اور ان کے قبضے میں تھے نوکرائیوں کے قبضے خواب بن گئے تھے۔ پھر بھی فاطمہ شکوہ زبان پر نہ لائیں اور نہ حالات کا رونا دھونا بلکہ صبر و شکر سے وقت کاٹا اور کٹ رہی تھیں۔ ابھی ابھی ملک حلد جو کچھ کہہ کر گیا تھا اس نے انہیں ناریہ خطرے کا احساس دلانا شروع کر دیا۔ وہ صناع کی طرف سے فکر مند ہو گئیں۔ ملک حلد کی نوازشات بے معنی نہیں تھیں نہ اس کی موت حلد جانی تھی جس پر اتنے عرصے بعد وہ ندامت کا اظہار کر رہا تھا۔ انہیں حلد کی معلنی سب ڈرامہ نگ رہی تھی کیونکہ ملک خاندان سے وہ اچھی طرح واقف تھیں بغیر مطلب کے وہ کسی پر ایک جیسے بھی خرچ نہیں کرتے تھے۔

صناع خوشی خوشی گاؤں جانے کی تیاری کر رہی تھی ان سے ملنے کا تصور ہی بڑا فرحت انگیز تھا۔ اس کے انگ انگ میں خوشی و سرستی گردش کرنے لگی تھی۔ اس نے بڑے اہتمام سے کریم کھر کا سوٹ استری کر کے رکھا تھا جو کل پہن کر اسے گاؤں جانا تھا۔ راستہ سوئے کی تیاری کر رہی تھی جب ابراہیم خاں اس کے کمرے میں آئے۔

”کیا ہو رہا ہے صناع بیٹی۔“ وہ خوشی سے بولے۔
”جس کچھ بھی تو نہیں۔“
”دراصل بیٹا میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ گاؤں

حلانے کا ارادہ سوخ کر وہ فاطمہ بہن کا فون کیا تھا کہ تمہیں منع کر دوں۔ چند روز میں وہ خود تم سے ملے آئے ہوں۔“
”خاکو کوئی اور بات تو نہیں ہے۔“
”ارے نہیں بیٹا کچھ نہیں ہے۔“ وہ اس کے اضطراب پر اسے تسلی دیتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد صناع اپنی سوچوں میں گم ہو گئی۔ ان سے ملنے وہ ایک بار ہی گئی تھی اب تو سالانہ امتحان بھی ہو چکے تھے پھر نہ جانے کبوں انہوں نے اسے آنے سے منع کر دیا تھا۔ ”چلو وہ خود آ رہی ہیں۔“ جم جلات کا پتہ چل جائے گا۔“ اس نے خود کو تسلی دی۔

”مجھے گناہ ہے یہ بڑھیا میری کھیر ثابت ہونے کی کوشش کرے گی مگر اس کا حل بھی میں نے سوچ لیا ہے آخری ملک حلد ہوں ملک منصور کا بیٹا“ حلد کے پہلے سے صفاک ہونٹوں پر عیارانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ بھی وہ موہا کل فون پر رستم سے بات کر رہا تھا۔ ”اگر لڑکی نے تمہارے لیے مسئلہ کھڑا کیا تو میں نے بھی بڑا ناکام کیا ہے۔ ویڈیو بکس والا ایک دوست کا یار نکلا ہے اسے کیپیوٹر لکھائی کے بارے میں بھی بڑی شدت ہے۔ تمہاری کھیر تقریباً کی ویڈیو تو ہو گی میں تمہیں پتہ چانچا آگے کام میرا ہے وہ خود جو کچھ کرے گا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ پھر تمہاری صناع۔“ رستم نے اپنا کمرہ سا قہر لگایا۔ اس نے اس کام میں پوری طرح اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حلد کو بھلا اور کا چاہیے تھا ویسے بھی وہ مل بانٹ کر کھانے کے ملے تھے۔

”اے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ واقعی میں ہے۔ وہ بھاگ کر ان سے جا ملے گی۔“
”تمہاری دیر اسے خود سے چھائے اس کے ہونے کا یقین کر لی رہیں۔ ملنے ملانے کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔“

بعد دو شامہ ایس کی لائی سونات۔ نوٹ بڑی جن میں مونگ پھلی قس والے لٹو سوچی کی مٹھلی اور آنے کی بھجوریں شامل تھیں دسکی بھی کا بڑا سا ڈبہ اور چھری اس کے علاوہ بھی۔ ناخرہ اس کے نزدیک ہے یہ خفا ہو گئیں۔ شہلا بھائی کے مٹی ہوئی تھیں ان کی حیثیت گزشتہ کچھ دنوں سے گری گری رہنے لگی تھی اور صر اریشہ کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔ ناخرہ نے فوراً فاطمہ کو یہ خوشخبری بتائی تھی۔

کھانے پر آج کافی اہتمام تھا۔ فاطمہ کو بعد اصرار ایک ایک چیز پیش کی گئی۔ رات بند کمرے میں فاطمہ ابراہیم ناخرہ اور اسماعیل کے درمیان دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ فاطمہ نے پہلی بار حلد سے ہونے والی ایک ایک بات انہیں بتائی ساتھ اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

”ابراہیم بھائی اور ناخرہ بہن میں چاہتی ہوں آپ صناع کے لیے اچھا سا رشتہ تلاش کریں تاکہ میری فکر کم ہو میری زندگی کا کوئی اہتمام نہیں ہے آئے روز تیار رہتی ہوں گاؤں میں اپنا کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے میری سب امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔“

”اگر اسماعیل کا رشتہ شہلا کے ساتھ طے نہ ہو چکا ہو تو میں صناع کو بیٹی ہونے پر فخر محسوس کرتی میرا کوئی اور بیٹا بھی نہیں ہے۔ مگر تم فکر مت کرو صناع کا جوڑ لٹھ نے اچھا ہی اتارا ہو گا۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ بیٹیاں والدین کے جیتے جی اپنے اپنے گھروں کی ہو جائیں تو اچھا ہے۔ حیثیت ایک مل کے میں تمہاری فکر محسوس کر سکتی ہوں۔ صناع کے لیے اچھا سا رشتہ ڈھونڈوں گی ناخرہ نے تسلی دی تو وہ کالی پر سکون ہو گئیں۔

”فاطمہ بہن اگر تم راضی ہو تو میں تمہاری زمین والا تازہ حل کر دوں۔“ انہوں نے ابراہیم کے کہنے پر انکار کر دیا کیونکہ ان کی خود داری کو گوارا نہ تھا کہ ان پر بے جا بوجھ ڈالا جائے۔

”ابراہیم بھائی اگر میری قسمت میں ہو تو صناع کو اس کا حق مل جائے گا اگر ہمارے مقدر میں یہ چیز لکھ

دی گئی ہے تو دسرا نہیں جھین سکتا۔“ انہوں نے بات ختم کر دی۔ چار روز پر لگا کر اڑ گئے فاطمہ نے واپسی کا قصد کر لیا۔ جانے سے پہلے انہوں نے صناع کو سختی سے گاؤں آنے سے منع کیا تھا جانے اس میں کیا راز تھا جو وہ اسے گاؤں آنے سے منع کر رہی تھیں۔ حسب عادت وہ اس نئی سوچ سے الجھنے لگی تھی۔

حلانے اپنے کچھ وفلا اردوں کو صناع کی تلاش کے کام پر لگا دیا۔ وہ خود بھی یہ کام کر سکتا تھا مگر صناع کی نظروں میں آنے کی صورت میں اس کے ہوشیار ہونے کا خطرہ تھا وہ فاطمہ سے بھی یہ بات معلوم کر سکتا تھا مگر یہ خطرہ آڑے آجائے کہ وہ چونک جائیں پھر اس کی تمام محنت پر پانی پھر جاتا وہ ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا چاہتا تھا۔ وہ میں جی اس کے نزدیک چیونٹی سے بھی کمزور تھیں دیں بارہ دن کے بعد مطلوبہ معلومات اس کے سامنے تھیں۔ اس کے علم میں جو کچھ آیا تھا کچھ اس طرح تھا کہ صناع اپنے رشتے کے خالو ابراہیم احمد کے گھر مقیم تھی جو ایک سرکاری فرم میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اس کے ساتھ وہ ایک شوروم بھی چلا رہے تھے صناع ڈراپور کے ساتھ کالج آتی جاتی تھی اس کے علاوہ وہ گھر سے تنہا نہیں نکلتی تھی ہمیشہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوتا ہے ایس لہذا زیاد علی کے گھر والوں کے ساتھ اس کا وہیہ محبت آمیز تھا اور یہی بات حلد کو خطرے کے احساس میں ڈال رہی تھی۔ اس کے خیال میں ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔

”مما آئی تھنک بھائی صناع میں انٹرنل ہیں مگر کسی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کر پارہے ہیں۔“ عباس نے ایک ایک کر کے وہ تمام بے ضرورت اذیت بیان کر دیے جو اس کے خیال میں صناع کو زیادہ کی محبت کا اظہار و گواہ تھے کچھ دیر فائقہ سوچ جو بچار میں ڈوبی رہیں پھر ان کے چہرے پر مسرت کے سب رنگ بکھر گئے۔

”اچھی بات ہے میں آج ہی تمہارے یہاں سے بات

کرتی ہوں مجھے زیادہ کی شادی کا بڑا ارمان ہے وہ نوکری پہ
لور تم لوگ اپنے اپنے کالج و یونیورسٹی چلے جاتے ہو
چھپے میں اکیلی رہ جاتی ہوں۔ تمہیں کیا پتہ تمللی کا
عذاب کتنا برا ہوتا ہے میری بہو اس گھر میں آئے گی تو
میری تمللی ہانت لے گی۔

وہ کہاں سے کہیں پہنچ گئی تھیں ایک الٹی جذبے
نے ان کے چہرے کا حال کیا ہوا تھا۔

منا کے تمام رنگ اس سے ان کے وجود میں رہتے
دکھائی دے رہے تھے۔ اب عباس کو منہ کا انظار تھا
باہر اور فائقہ نے زیادہ کو سر پر اندرون کے چکر میں کچھ
اور ہی سوچ ڈالا بلائی یا فاقہ لور ابراہیم سے بات کر
لی۔ مگر انہیں یہ بات بخشم نہیں ہو رہی تھی کہ زیادہ
منہ میں دلچسپی لے رہا ہے کیونکہ اس کی موجودگی میں
وہ یہاں تین چار بار ہی آیا تھا انہیں بالکل بھی نہیں لگا
کہ وہ منہ کو پسند کرتا ہے نہ منہ کے کسی عمل سے
یہ بات ثابت ہوئی تھی۔ کچھ بھی تھا وہ فاقہ کے
ماننے سرخرو ہونے کے تصور سے ہی سرشار ہو گئے۔
فاقہ کو اندر سے دکھ سا ہوا کیونکہ وہ زیادہ کو بار بار دوشانہ
کے دولہا کے روپ میں دیکھ چکی تھیں۔ مگر بعد میں
اپنی اس حاسدانہ سوچ پہ خود ہی شرمسار ہو گئیں جب
اوپر والے نے دوشانہ کو پیدا کیا ہے تو اس کا جوڑ بھی
اتار اہو گیا۔ منہ کا اس دنیا میں ماں کے اور ہمارے
علاوہ کوئی نہیں ہے اگر اسے اچھا بر ملا گیا ہے تو یہ ان
کی بھی خوش بختی ہے۔ انہوں نے رسمی طور پر فائقہ
اور باہر سے کہا وہ فاقہ سے بات کر سگے فائقہ اسی
وقت فاقہ کے پاس چلنے کو تیار تھیں کمزور تھیں۔

پرائے وقتوں کا سرے روزہ ان کے ہاں رونہ ہو گئے۔
دونوں میاں بیوی متاثر ہوئے اس سارے پس منظر
میں فاقہ کی ذات انوکھی کشش اور مقناطہ سمیت کی
حاصل لگ رہی تھی جس کی طرف وہ بے اختیار کھینچے
چلے گئے۔ فاقہ نے ان کی آمد کا سبب بتایا تو سب سے
پہلے فاقہ نے شکرانے کے تو اٹل ادا کیے انہوں نے
صاف دل سے باہر اور فائقہ کو اپنے بارے میں بتایا تو وہ

از حد متاثر ہوئے انہیں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ فاقہ
کی بہت سی جائیداد با اثر لوگوں کے قبضے میں ہے پر
فاقہ نے آج تک اس کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی
۔ فائقہ کے دل کو دھارس سی ہوئی کہ فاقہ کا بیک
گر اوپر بہت مضبوط ہے۔

یا ہم مشورے پہ فاقہ اور ابراہیم سمیت فاقہ لے
بھی حامد کی خباثتوں کا باہر اور فائقہ سے ذکر نہ کیا۔ لفظ
بھی تو یہ وہ پوش سے پھر انہیں کیا ضرورت تھی اس بہت
کو اچھا لگے انہیں یقین تھا اس رشتے کے بعد حلد منہ
کا ہم تک بھول جائے گا۔



ای اپنے تئیں اسے یہ خوش خبری سنا کر جا چکی
تھیں۔ دوشانہ چکراتے سر کو تمام کردیں پیٹھ گئی۔ یہ
کیا ہو گیا تھا ای کیا کہہ رہی تھیں ایسا کیسے ہو گیا تھا۔
”میاں مہیبل بھلا زیادہ اور منہ۔“ نہیں نہیں
میرے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہے بھلا کہاں زیادہ
اور کہاں منہ۔ اور میں نے جو خواب دیکھے تھے۔ زیادہ
کو پانے کے اس کی ہیرا سی میں میں نے تصورات کی
کتنی منزلیں طے کر لی تھیں پھر یہ کہیں ہو گیا۔ منہ کو
میں کتنی معصوم سمجھتی تھی اور وہ کیا نکلی۔ میرے حق
تہ ذاکہ ڈالنے والی صاحبہ ڈائن مجھے شروع سے ہی
تجسس لینا چاہیے تھا کہ عباس کا اسے خصوصی توجہ دینا
اسے گھر کی ایک ایک چیز دکھانا بتانا، اہم موقعوں پہ
اسے بلانا یہ سب بے سبب نہ تھا میں منہ کو پھوڑوں
کی نہیں۔ ”منہ خیالات پوری طرح اسے اپنے قبضے
میں لے چکے تھے منہ سے اسے بہت نفرت محسوس
ہو رہی تھی۔ دیکھتے میں منہ چپائے سک سک کر
دور ہی گئی۔“

”آئی انہیں میں اتنا وقت ہو گیا ہے مغرب کی اذان
بھی ہو چکی ہے۔“ منہ ٹیوب لائٹ جلا کر اندر محی
پڑی دوشانہ کی طرف آئی اور پار سے اس کا شانہ ہلایا
پر وہ بڑی تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹکتی اٹھ بیٹھی۔ الف
اس کی آنکھیں اتنی سرخ ہو رہی تھیں منہ کو خوف

آنے لگا۔

”پلیز اس وقت چلی جاؤ میری طبیعت اچھی نہیں
ہے۔“ دوشانہ نے اپنی رکھائی چھپانے کی ضرورت
نہیں سمجھی۔ اس کے لیے میں بے پناہ اجنبیت اور
بیگانگی تھی۔ منہ کا کالہ سے نکلتی رہ گئی۔

”میں آپ کی کو کیا ہو گیا ہے جو وہ اس طرح کر رہی
ہیں پہلے تو کبھی میں نے انہیں دوتے ہوئے نہیں دیکھا
ہر وقت ہنستی ہنساتی رہتی تھیں اور مجھ سے کتنے بار سے
پیش آتی تھیں آج انہوں نے کس طرح بات کی ہے
میرا دل کرچی کرچی ہو گیا ہے۔“ منہ کی آنکھیں بھی
برس پڑیں۔



”ما آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“ وحیرت دہے یقینی
سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں وہی کہہ رہی ہوں جو تمہارے دل کی آواز
ہے، ہم نے تمہارے دل کی بات جان لی تم اس پہ خوش
نہیں ہو آخر تمہاری مرضی بھی تو یہی ہے۔“ وہ مکمل
اطمینان سے بولیں تو زیادہ کا دل چاہا اپنے سر کے بل
نوج لے سوچ سوچ کہ اس کے سر میں درد ہونے لگا کہ
انہیں یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی ہے نہ وہ منہ کو پسند کرتا
ہے نہ محبت اس نے تو کبھی غور سے منہ کو دیکھا بھی
نہ تھا کہ یہ محبت۔ سوچتے سوچتے اسے وجہ معلوم ہو
ئی گئی یقیناً یہ سب کیا دھڑا عباس کا تھا اسے ہی اس کی
شادی کا بڑا ارمان تھا وہ بھانے بھانے سے منہ کی
تحریف کرتا تھا۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر اسے مایہا
سے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی وہ اس کے
بارے میں کیا سوچتے ہوں گے اس نے ایک لڑکی سے
شادی کا وعدہ کیا اس کے ساتھ باہر ملتا رہا کیا وہ کوئی
اسٹریٹ لور تھا کالج بوائے تھا جو ایسی کری ہوئی حرکت
کرتا۔ اس کی اتاری طرح مجبور ہوئی تھی۔

”پھر بیٹے تمہارا کیا جواب ہے میں منہ کی اہل
سے بات کر آئی ہوں۔“ اسے بہت دیر سے خاموش
دیکھ کر فائقہ نے سوال کیا تو وہ دکھ و تاسف سے انہیں

دیکھ کر رہ گیا۔

”جب آپ نے سب کچھ طے کر لیا ہے تو میرا
جواب معلوم کرنے کا فائدہ۔“ وہ لیے لیے ڈگ بھرتا
کمرے سے نکل گیا تو فائقہ حیران رہ گئیں منہ جانے
اس نے یہ کیوں کہا تھا اور اتنا افسردہ ہو کر کیوں گیا تھا۔
نہ سر جھٹک کر رہ گئیں۔

زیادہ سیدھا عباس کے پاس آیا تھا پورے نمونٹ کنٹرول
ہاتھ میں پکڑے ہوئے دی کے پھیل بدل رہا تھا۔
”اسے فوراً بند کر دیجئے تم سے کچھ بات کرنی
ہے۔“ زیادہ کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا سو عباس کو کسی شوخی
کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے چپ چاپ اس کے حکم
پہ عمل کیا۔

”جی بھئی فرمائیے۔“

”تم نے مجھے مایہا کی نگاہوں میں گرا دیا ہے تم
نے جھوٹ کیوں بولا کہ میں منہ میں انٹرنل ہوں
اس سے محبت کرتا ہوں اس سے عشق کی پیٹیکس بر دھا
رہا ہوں۔“ زیادہ نے عباس کا گریبان پکڑ لیا اور اسے
نور سے جھنکا دیا میں ساری زندگی تمہاری اس غلطی کو
محاف نہیں کروں گا آئندہ کے لیے بھول جانا کہ تمہارا
کوئی بڑا بھائی بھی تھا۔ وہ اسے چھوڑ کر غصے سے باہر چلا
گیا۔ عباس پھٹی پھٹی آنکھوں سے ابھی تک
دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اسے شاگ سا لگا تھا بھائی
کا رویہ کتنا درشت اور اچھی سا تھا اسے رونا آنے لگا وہ
یوں فریب نظر کا شکار ہوا تھا اتنی بڑی غلطی کیونکر اس
سے ہو گئی تھی کہ وہ زیادہ کا مجرم ٹھہرا تھا۔ گھر والوں کو
ابھی تک ان کے درمیان کشیدگی کا پتہ نہیں چلا تھا۔
فاقہ نے زیادہ کی خاموشی کو اس کی رضامندی تصور کیا
تھا۔

منہ کی منگنی کا بنگامہ کچھ دیر قبل ختم ہوا تھا۔ گھر
کا تمام سامان بکھرا ہوا تھا ہر چیز بے ٹھکانہ تھی اس نے
مدد کروانے کی کوشش کی مگر شہلا بھائی اسے زبردستی
کمرے میں بٹھا گئیں اسے کپڑے بھی نہیں بدلنے
دئے کہ تمہاری اچھی اچھی تصویریں بتائیں گے
فاقہ اور فاقہ دوسرے کمرے میں تھیں۔ فاقہ

انھیں صنایع کی سسرال کے بارے میں بتا رہی تھیں۔
 لن کے چہرے پہ پھیلا ہوا اطمینان لن کی دلی مسرت کا
 غماز تھا۔ انھیں ہرگز امید نہ تھی کہ صنایع کا رشتہ اتنی
 اچھی جگہ طے ہو جائے گا۔

صنایع کے لیے یہ ممکن انتہائی غیر متوقع تھی اسے
 چند گھنٹے قبل اس بات کا ختم ہوا تھا کہ اس کی ممکن ہو
 رہی ہے۔ اس کا وہی حال ہوا جو حیرت کی زیادتی کے
 سبب ہوتا ہے۔ اس نے خود کو حالات کے دھارے پہ
 چھوڑ دیا تھا وہ ناظم کا خوشی سے چمکتا چہرہ تاریک نہ کرنا
 چاہتی تھی عباس ابھی اس کے پاس آیا تھا اس نے
 ممکن کی تیاریوں میں مصنوعی جوش و خروش سے حصہ
 لیا تھا ورنہ اس کا دل اندر سے بھجا ہوا تھا اس کے دل
 کی مراد اتنی آسانی سے پوری ہو گئی تھی مگر وہ اندر سے
 مجھ چکا تھا۔ کیمرے میں کچھ تصویریں باقی تھیں وہ
 یونہی اس کی تصویریں دیکھنے لگا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ صنایع
 بہت خاموش ہے یہ خاموشی حیا کی وجہ سے نہیں تھی
 اسے بھی پتہ چل گیا کہ زیادتی طرح وہ بھی بے خبری
 میں ماری گئی ہے۔ تصویریں بنانے کے بعد وہ باہر چلا
 آیا۔ ارشد اور شمس الدین میں تھیں روشنائی کیس بھی
 نظر نہ آ رہی تھی۔ وہ دوپہر سے گھر کے لیے نکل آیا۔
 آج اس کا دل بیٹھ سے زیادہ اداس و طول تھا کتنی دیر وہ
 بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔

روشنائی نے صنایع سے بات چیت مکمل طور پر بند
 کی ہوئی تھی اگر صنایع سے اس کا سامنا ہو بھی جاتا تو وہ
 قہر آلود نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ جاتی یا اسے ٹھکراتی
 رہتی۔ اور صنایع بیچاری وہ بدست انجمن میں تھی کہ
 ایسا کیوں ہو رہا ہے روشنائی اس طرح کیوں کر رہی
 ہے۔

فون کی کتنی مسلسل بج رہی تھی مگر میں صرف
 صنایع یا روشنائی تھی جب دوبارہ بیل ہوئی تو صنایع نے
 ریسیور اٹھا لیا۔
 ”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔“

”جی آپ کون۔“ اس نے بالکل بھی نہیں پہچانا
 اس لیے سوال کیا۔

”اگلی آپ کا غلام خاص ملک حامد اور کون“ بڑے
 خاکسارانہ مگر خفاشت بھرے لہجے میں عرض کیا گیا تو وہ
 کاتب مئی۔ اس کی بزدلی کی انتہا تھی۔

”کک کک۔“ کیوں فون کیا ہے۔“ اس نے ناکام
 سختی لہجے میں سمونے کی کوشش کی۔ دوسری طرف
 ایئر پیس سے حامد نے ہنسنے کی آواز آنے لگی۔

”اچھا سوال ہے تمہاری کچھ چیزیں ہیں میرے پاس
 دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔“
 ”میری چیزیں آپ کے پاس۔“

”ہاں تمہاری چیزیں تمہاری بڑی پیاری تصویریں
 ہیں میرے پاس اس کے علاوہ ویڈیو کیسٹ میں بھی تم
 بڑے اونگے ہو شہزادہ انداز میں ہو۔“ حامد ہنسنے لگا۔ تو
 صنایع ڈر گئی جانے وہ کون سی تصویروں کی بات کر رہا
 تھا۔

”گھر میں نے تو کبھی تصویریں نہیں بنوائیں صرف
 متنہی۔ میری تصویریں بنی تھیں۔“

”بہت بھولی ہو اسی معصومیت ہے تو میں مرٹھا ہوں
 یہ سائنسی دور ہے صنایع صاحبہ نا ممکن کو ممکن کر
 دکھانے والا بہر حال یہ نمبر نوٹ کر لو اگر مجھ سے ملنا ہو تو
 فون کر کے بتا دو ورنہ مجبوراً“ مجھے تمہاری وہ ٹاپا ب
 تصویریں تمہاری ہونے والی سسرال پہنچانی پڑیں
 گی۔“ پھر وہ نمبر نوٹ لے لگا صنایع سے خاک نمبر نوٹ ہونا
 تھا اس کے ہاتھ سے تو ریسیور بھی گر گیا وہ دھڑے
 سی گئی۔ اسے بالکل پتا نہ تھا کہ آئندہ پر وہ غیب سے کیا
 سامنے آنے والا تھا۔ دوسری طرف موجود روشنائی نے
 نمبر نوٹ کر لیا اس نے بھی اتفاقاً ”ریسیور اٹھا لیا تھا اور
 اب ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن چکی تھی۔ حامد
 نے ریسیور رکھا تو اس نے بھی رکھ دیا۔ اس کے
 ہونٹوں پہ ایک پراسرار مسکراہٹ رقصاں تھی وہ اپنی
 کامیابی کے احساس سے ہی مسرور ہو رہی تھی نا کمالی و
 نارسائی کا احساس کیسے دور جاسویا تھا اتنے دن سے وہ

جس انگ میں جل رہی تھی اب سرد ہوتی لگ رہی تھی۔



"غیب دشمن طبیعت تو نماز نہیں ہے میں تو ایسے ہی چلا آیا کہ کئی روز سے صنایع کی شکل نہیں دیکھی اسی زمانے ملاقات ہو جائے گی مگر تم تو کئی کمزور اور شکل سے بیمار لگ رہی ہو۔" عباس بڑے روز بعد اپنے مخصوص انداز میں نظر آ رہا تھا یہ جانے بغیر کہ صنایع کے دل پہ کیا گزر رہی ہے وہ ایک دم سے رونا شروع ہو گئی۔ عباس ہنس سے انداز میں اس کی شکل دیکھتے لگا۔

"اچھا چپ ہو جاؤ کیا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے اچھا چلو آؤ ہمارے گھر چلتے ہیں کچھ دنوں کے لیے۔ سب تمہیں مس کر رہے ہیں میں آئی سے اجازت لے کر آتا ہوں۔" اس کی سنے بغیر وہ باہر نکلا تو روشانہ سے نکراتے نکراتے یہاں۔

"اٹھا کیا فلمی سین ہے تم بھی ادھر ہی ہو میں دراصل صنایع کو لینے آیا ہوں ممانے کما ہے میں ذرا آئی سے اجازت لے آؤں پھر تم سے دو دو ہاتھ کرنا ہوں غضب خدا کا میں اتنے روز بیمار رہا تمہیں اتنی تسلی ہی نہیں ہوتی کہ مجھے فون کر کے پوچھ ہی لیتیں ارے عباس کیسے ہو تمہاری طبیعت کا کیا حال ہے زندہ ہو یا مر گئے ہو۔" وہ زندہ تو آواز بنا کر لا کا کھڑکیوں والے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا تو روشانہ ہنس پڑی۔ کچھ دیر کے لیے وہ سب کچھ فراموش کر گئی۔ عباس کی پہنی کی ایک تو بات تھی انسان فریٹ ہو جانا تھا کہ وہ شرمندہ شرمندہ ہی تو بلیں پیش کرنے لگی تو وہ اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اس کی ساری ریگیں دانگیں کے تالوں کی طرح تن ہی گئیں رقابت کا زہر اس کے لبو میں جیسے سرایت کرنے لگا۔ عباس کو صنایع کو ساتھ لے جانے کی اجازت مل چکی تھی۔ عباس کے کہنے پہ صنایع نے کپڑوں کے دو جوڑے رکھ لیے تھے وہ خود اس وقت کسی بھر دو کی کسی بدست کی ضرورت محسوس کر

رہی تھی پھر روشانہ کی غرت سے بھی بچنے کے لیے اسے فرار چاہیے تھا وہ عباس کے گھر پہنچ گئی۔



ان سب کے لیے صنایع کی تدبیر مرزا سے کم نہ تھی فائدہ نے بڑے پار سے اس کی پیشانی چوٹی فیضان تو خوشی سے بے قابو سا ہو گیا۔ اب فائدہ کچن میں مصروف تھیں اور وہ دونوں حسب معمول اس کا دماغ کھارے تھے کچھ دیر بعد زیادہ بھی آگیا۔ صنایع کے بعد اس نے پہلی بار صنایع کو دکھا دیا۔ یہ دیکھتا ہوا سری ختم کا تھا اس لیے احساس و نگاہ کا بدلنا لازمی امر تھا۔ غلبت کا احساس خود بہ خود اس کے ہر انداز میں دور کیا گزشتہ تمام باتوں کو بھلا کر اس نے صنایع کے بارے میں سوچا تو وہ اسے اچھی ہی لگی۔

"کہیں نہ کہیں تو میری سٹیفنی ہونی ہی تھی پھر صنایع سے ہی سی۔" اس سوچ نے اس کے ذہن و دل کو رسکون کر دیا۔ صنایع اس کی نگاہوں کی پیش سے گھبرا گئی تھی۔ زیادہ کو بے اختیار صنایع سے اپنی پہلی ملاقات یاد آئی۔

"نہ جانے یہ لڑکی اتنی گھبراہٹ کیوں ہے۔" اس نے سوچا۔ خوشگوار ماحول میں رات کا کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد صنایع نے سب کو چائے خود سرو کی۔ اگلے آئی اس کے بعد سونے کے لیے اٹھ گئے۔ زیادہ فون کرنے لگا فیضان اٹھ گیا اور عباس کو بھی ضروری کام یاد آگیا۔ یہ سب اتنے غیر محسوس انداز میں ہوا کہ صنایع کو بہت ہی نہ چل سکا کیونکہ وہ بڑے انتہاک سے لی وی پی فشر ہوئے والا ایک انتہائی مشہور و مقبول پرائیڈر اسے دیکھ رہی تھی جس میں واقعات کی بلی رنگ بدل رہے تھے زیادہ جو بھی فون کر کے مزاحمت کی بل پھر بچنے لگی اس نے ایک دو ٹیبلر رک کر ریسیور اٹھالیا۔

"اٹھائی گلا۔" اس کے منہ سے سہا جملہ کی برآمد ہو جس میں بے پناہ آساف تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ صنایع سے کیسے بات کرے۔ وہ انداز میں باصلاحیت تھا کہ پورے پولیسنگ کے کو اس پہ فخر تھا مگر

اس وقت وہ خود کو بے پناہ چار محسوس کر رہا تھا بات ہی ایسی تھی دو سرے طرف سے ابراہیم اگلے نے اسے بتایا تھا صنایع کی دلہندہ کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے زیادہ سے کہا کہ کسی طرح سی صنایع کو ملنے کی شیشی سے لالچ رکھ نہ جانے وہ کیسے اتنا بڑا صدمہ سہا پائے گی۔ زیادہ نے پہلے بار صاحب کو جگا کر اس صورت حال سے آگاہ کیا اور دوبارہ صنایع کے پاس آیا جو اسی طرح ڈرا سے میں ٹھن تھی جس طرح خود بخود کر گیا تھا۔ اسے صنایع پہ بہت ترس آیا۔ اس لمحے وہ اسے اپنے دل سے بہت قریب محسوس ہوئی۔

"صنایع۔" اس کا لہجہ اتنا نرم و میما اور دلکش تھا کہ اسے اپنی ساعتوں پہ شبہ سا ہوا وہ اتنی زیادہ نے ہی اس کا نام لیا تھا۔

"صنایع۔" دوبارہ اسے پکارا گیا تو وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی۔ جی کیا بات ہے۔" وہ بری طرح گھبرا گئی تو زیادہ کو بھر دو کی احساس دو چند ہو گیا وہ اٹھا اور اس کے کندھوں پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ بدک سی گئی بدگمانی و بے اعتباری کی حرر کوئی آزاری بھی صنایع کے چہرے سے اس وقت پڑھ سکتا تھا وہ تو پھر زیادہ تھا اس نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے پہ ہاتھ لیے "صنایع آپ کی امن کا ایک سیلنٹ ہو گیا ہے۔"

"نگ۔ کیا۔" صنایع ہٹکا گئی لمحوں میں اس کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں پھر اسے اپنی چیخوں پہ کوئی اختیار نہ رہا عباس اور فائدہ سب سے پہلے صنایع کے پاس آئے اس کی بہت جواب دے گئی تھی۔ فائدہ اسے زبردستی بمشکل تمام گاڑی تک لائیں۔ زیادہ نے تمام دو آؤں کو لایا۔ وہ پوچھ کد اور کد بات و دہ خود بھی گاڑی میں آ بیٹھا۔

پونے تین بجے کے قریب وہ گاڑی پہنچے وہ انداز سے آگے وسیع تر آمد سے میں بہت سے مرد و عورتیں تھیں۔ صنایع کو صورت حال جاننے میں سیکنڈ بھر کی بھی دیر نہ لگی وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئی فائدہ کی باتوں میں لڑھک گئی۔ اسے چند ثانیے کے لیے

ہوش آتا تو اس صدمے کا احساس ہوتی ہی وہ پھر بے ہوش ہو جاتی۔ فاطمہ کی موت کے بارے میں طرح طرح کی چٹکیاں ہو رہی تھیں گاڑی والوں کے مطابق کوئی چور فاطمہ کے گھر چوری کرنے کے لیے گھسایا اس کی طرف سے مزاحمت پر چور نے گلا گھونٹ کر اسے مار دیا بس اتنی ہی کمائی تھی۔ مگر زیادہ کی زیرک نگاہوں نے مل بھر میں بہت لیا اس کے پیچھے کوئی اور ہی راز ہے کیونکہ فاطمہ کے کمزور جسم میں مزاحمت کی رمت تک نہ تھی۔ پھر کچھ اور چیزیں بھی تھیں جو اس کے ذہن میں شک ڈال رہی تھیں مگر اس نے اظہار نہیں کیا۔ مگر نوجوان فاطمہ کا جتنا ہاتھ تو کھرام رہا ہو گیا خود زیادہ جیسے شخص کو بھی فاطمہ کے قتل کا بہت افسوس تھا صنایع بے چین سے انداز میں فخر کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی رو د کر اس کے آنسو ختم ہو چکے تھے اور گلا میٹھا ہوا تھا اب گھر میں چند افراد ہی تھے یہ بھی فاطمہ کے بڑی سی تھے۔ تھوڑی دیر بعد سب چلے گئے۔ اب صرف فخر، فائدہ، ابراہیم اور عباس ہی تھے فیضان، زیادہ، روشانہ، بار و غیرہ چلے گئے تھے ان سب کا ارادہ کل پھر آنے کا تھا اگرچہ آنے جانے میں ہی دس گھنٹے صرف ہو جاتے تھے مگر اس کڑے وقت میں ان کے سوا صنایع کا تھا ہی کون۔ وہ سب دل کی گھرائیوں سے اس کا دکھ محسوس کر رہے تھے اور دیکھی بھی تھے۔ واپسی میں روشانہ زیادہ کی گاڑی میں بیٹھی وہ خود ڈرائیونگ کر رہا تھا اور بہت منتشر لگ رہا تھا۔

اگلے آنے والے چار دن فخر، ابراہیم اور فائدہ سمیت صنایع کے گھر ہی رہیں۔ فائدہ نے روشانہ سے کہا تھا کہ وہ ان کی طرف بھی چکر لگایا کرے جانے بوا نصیب نے گھر کا کیا حشر کیا ہو۔ اس سوچ کے زیر اثر انہوں نے روشانہ کو گھر کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ اس نے بخوبی یہ ذمہ داری نبھائی بلکہ اس رات تو وہ لٹن کی طرف ہی رگ گئی کیونکہ ارشید بھی میکے آئی ہوئی تھی اب شہلا بھائی اکیلی نہ تھیں اس لیے وہ بے فکر سی تھی۔ اس نے نوٹ کیا کہ عباس صنایع کے ساتھ

ہونے والے واقعے کی وجہ سے بہت چپ چاپ رہا۔
کھانے کے بعد وہ مزاحیہ لطیفے سنانے لگی جو اسے
پڑھائی کے دوران پیش آئے رہا عباس اس کی رہا۔ پھر
وہی ملن روشانہ کے وجود کا گھیراؤ کرنے لگی وہ سر
جھٹل کر زیادہ کی طرف متوجہ ہوئی جو چائے کا کاک
تھامے بلکے چسکی لے رہا تھا اس نے کھانے کا
اقدہ تک نہ توڑا تھا۔ گھر پر آرام و شلووار سوٹ میں
لبوس قمیص کی آستین موڑے وہ بے پناہ جذبہ نظر
لگ رہا تھا پھر عباس جہانگیر لیتا اٹھ کھڑا ہوا اور سونے
کے لیے چلا گیا زیادہ البتہ وہیں تھا۔ وہ بھی اس کے برابر
صوفے پر بیٹھ گئی جو چائے کا کاک رکھ کر اس طرف اٹھ گیا
تھا۔ باتوں کی انگلیاں موڑتے ہوئے وہ بے پناہ
مضطرب لگ رہی تھی۔ زیادہ کی عقابانی نگاہوں سے اس
کی یہ کیفیت پوشیدہ نہ رہ سکی۔

”روشانہ آپ کچھ پریشان ہیں؟“ وہ نرمی سے بولا تو
اس نے ایک ثانویہ کے لیے نگاہیں اٹھا کر زیادہ کو دیکھا۔
”آپ کی منہ کے ساتھ کمشنٹ بھی؟“ اس
نے ایسے وقت میں اس سے وہ عجیب سا سوال کر دیا۔ وہ
تو سمجھ رہا تھا کہ وہ فاطمہ کی موت کی وجہ سے افسردہ ہے۔

”بھئی آپ نے یہ سوال کیوں کیا ہے میرے لحاظ
سے تو یہ غیر ضروری ہے میری شادی کبھی نہ کہیں تو
ہوئی ہی تھی پھر مجھے بھی اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ کسی
کے ساتھ کمشنٹ ہی کر سکوں سو ماما بھائی کی بات ملن
لی یہ کمشنٹ والا قیاس عباس کا پھیلا ہوا ہے اسی
وجہ سے میری اس سے بات چیت ابھی تک بند ہے
جب تک وہ ماما بھائی کو اصل صورت حال سے آگاہ نہیں
کرے گا یہ ناراضگی برقرار رہے گی میں اس طرح کا
مختص نہیں ہوں انہی مصروف روین میں مجھے روینس یا
فلکس کا ٹائم نہیں ملا اور عباس نے تو افسانے بنا
دئے۔ ویسے ایک بات سے آپ کی کزن سے بڑی
ہوتی ہر وقت ہراساں اور گھبرائی گھبرائی رہتی ہے
جیک مجھے بااعتماد بلور لڑکیاں اچھی لگتی ہیں ابھی تک
آپ کی کمپنی میں منہ میں وہ احوال نظر نہیں آیا جو

آپ کی شخصیت کا حصہ ہے۔“ زیادہ کے تعریفی انداز
سے وہ خوش ہو گئی۔

”آپ نے منہ کے بارے میں جملہ بین کی میرا
مطلب ہے اس کی صفات ’خوبیوں‘ خاصوں اور غیروں کو
پرکھا۔“ اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ دل کی بات کیسے
زبان پر لائے۔

”جملہ تک جملہ بین کی بات ہے تو ماما بھائی
مطلب میں ہو کر ہی تنگنی کی ہے یہی علوات ’خوبیاں‘
خاصیاں تو وہ ساتھ رہ کر ہی پتہ چلیں گی مگر مجھے حیرت
ہے آپ اپنی کزن کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کر
رہی ہیں۔“

”آپ پولیس والے تو بڑے جملہ دیدہ ہوتے ہیں
بس ایسے ہی سوچا آپ کے خیالات تو معلوم کیسے
جائیں۔“ وہ بڑی منطقی سے بات کرتے کرتے
موضوع بدل گئی۔

جو کچھ خلع حاجر نے اسے بتایا اس نے منہ کے
حواس ہی گم کر دیے تھے۔ جب فائزہ اور فاطمہ دھڑک
ڈرا آرام کرنے لگیں تو تب خلع حاجر رازدارانہ انداز
میں چوکی ہو کر ادھر ادھر اسے ڈھونڈتی باتیں طرف
بنے کمروں کی قطار کی طرف آئیں منہ کے بھی وہ
ان کے پر سرار سے انداز سے خائف ہو گئی۔

”منہ کے پتر مجھے تم سے ضروری بات کہنی ہے۔“
منہ کے انیس گھرے میں لے آئی۔

”منہ کے پتر فاطمہ نے اپنے مرنے سے صرف ایک
دن پہلے مجھ سے حلف لے کر یہ باتیں کیں اور میں
صرف تمہیں بتا رہی ہوں۔ کچھ روز پہلے فاطمہ ملکوں
کی حویلی گئی تھی بڑے ملک کے پاس اپنی زمینوں کے
سلسلے میں پر ملک اختیار نے فاطمہ بہن سے کوئی اچھا
سلوک نہیں کیا دوسرے روز حامد تمہارے گھر آیا
جب وہ یہاں سے گیا تو بہت غصے میں تھا۔ فاطمہ نے
اسی وقت مجھے بلوایا اور کہا کہ اگر میں نہ رہوں تو منہ کے
دھی سے کتنے آئندہ بھی یہاں مت آئے اور جس

طرح سے بھی ہو سکے حامد سے اپنا آپ بچائے۔ جس
رات فاطمہ کا قتل ہوا اس دن حامد پھر تمہارے گھر آیا
تو جب وہ نکلا تو میں گھٹی کیونکہ وہ بڑا گھبراہٹ اور پریشان سا
لگ رہا تھا میں نے اس کی چھت سے اسے دیکھا۔ جب
میں تمہارے گھر گئی تو کچھ فاطمہ۔“ وہ ہلکے مکمل نہ کر
نہیں گور روئے لگیں۔ منہ کے کو بات کی۔ تک جینے
میں پڑنے لگی کہ اس کی لیل کا قاتل حامد ہے نہ جانے
اس نئی انقلاب نے اس کی اماں کو کیوں مار دیا تھا اس
کا خون اندر ہی اندر جوش کھانے لگا۔ اماں کی وجہ
سے ہی قتل ہوئیں پٹے پچا اور اب اماں۔ حامد نے
کیوں ان کا گلا گھونٹ ڈالا۔ خلع حاجر کے جانے بعد
سے اب تک وہ یونہی بے حس و حرکت بیٹھی کسی غیر
مرئی شے کو گھور رہی تھی۔

”میں اس ذلیل حامد کو چھوڑوں گی نہیں چاہے
میرے ساتھ کچھ بھی ہو جائے۔“ ایک نئے عزم و
دھڑک سے اس کی ساری ہڈیوں میں ختم ہو گئی۔

وقت کا کام زخم مندمل کرنا ہے سو آہستہ آہستہ وہ
بھی نارمل زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی مگر اب بھی
الٹرا میں کی یاد اسے بے چین رکھتی۔ کچھ دن بعد وہ
سب کے ساتھ راولپنڈی چلی آئی۔

اس پر شکوہ جھگڑے کی ہر چیز دلفریب اور قیمتی تھی۔ حامد
نے اسے بڑی گرجوئی سے خوش آمدید کہلا کر روشانہ
نے متاثر ہونے والی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا اور
اس کا اشارہ کر بیٹھ گئی۔

”تو آپ ہیں روشانہ منہ کے کزن مگر آپ اس کے
نہایت میرے ساتھ کیوں ہیں شاید آپ کو معلوم نہیں
ہے کہ میں نے منہ کے کا کیا حشر کرنا ہے صرف اسی کی
وجہ سے اس پر حیا نے میرے اوپر ہاتھ اٹھانے کی
جرات کی اور میں نے۔“ ایک دم حلد کو جیسے ہوش آ
گیا اور وہ خاموش ہو کر روشانہ کو گھورنے لگا تو خوف کی
ایک لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ ایک
ثانیہ کے لیے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے

یہاں آکر غلطی کی ہے مگر پھر فوراً ہی اس نے اپنے
آپ کو منہ لیا۔

”میری کزن ضرور ہے ساتھ میری خوشیوں کی
قاتل ہے میری آنکھوں کے خواب اس کی پلکوں پر سج
گئے ہیں اس نے مجھ سے زیادہ کو جھین لیا ہے میں چاہتی
ہوں کہ منہ کے ساتھ کچھ ایسا ہو کہ زیادہ خود
اسے دستبردار ہو جائے۔“ اس وقت وہ نرم و نازک
لڑکی نہیں بلکہ خون آشام ہڈیوں لگ رہی تھی حامد مسکرا
دیا۔

”ذیل ذن اب بات بتی ہے آپ فکر مت کریں
منہ کے کی طرف میرے بڑے حساب ہیں اس کے لیے
میرا بہت سامان ہے وقت خرچ ہوا۔ ذیل انگ ہوا
ہوں اس کا وہ حلی کر دیں گا کہ۔ لیکن ایک بات یاد
رکھیں میں نے منہ کے کی ہڈی کے بارے میں جو کہا ہے
وہ کبھی بھولے سے بھی آپ کی زبان پر نہیں آتا
چاہے وہ نہ نہن کی ذمہ دار آپ خون ہوں گی۔“ اس کا
لہجہ اتنا سفاک اور خطرناک تھا کہ روشانہ کے بدن پر
چوہ نیلیں سی رینگنے لگیں۔

”خالو میں چاہتی ہوں کہ جو زمین ناجائز طور پر ملکوں
اور دوسرے بااثر لوگوں کی قبضے میں ہے وہ کسی طرح
مجھے مل جائے۔“ اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔
”میں نے بھی ایک بار فاطمہ بہن سے یہ کہا تھا تو اس
نے انکار کر دیا تھا۔ ہائی کورٹ کا ایک بہت اچھا وکیل
میرا دوست ہے۔ اس طرح کے مقدمات میں بڑی
شہرت رکھتا ہے۔ میں اس سے بات کروں گا انشاء اللہ
تمہیں تمہارا حق مل کر رہے گا۔“ ابراہیم نے اسے
تسلی دی۔ ساتھ وہ اندر سے فکر مند بھی تھے کیونکہ
منہ کے کی حیثیت انہیں غیر محفوظ لگ رہی تھی فاطمہ
کے قتل کے بعد کسی حد تک وہ بھی حقیقت سے
واقف ہو گئے تھے مگر اظہار کرنے سے قاصر تھے اس
لیے پہلے انہوں نے بارے میں پھر فاطمہ سے بات کی۔
”منہ کے ماں کی وفات کے بعد اکیل رہ گئی ہے میں

چاہتا ہوں کہ جلد از جلد زیاد اور صنایع کا نکاح کر دیا جائے کیونکہ ہر مسئلہ ہے صنایع کے حقوق کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہو جائے کیونکہ فاطمہ بہن صنایع کو میرے سپرد کر کے گئی ہیں اب صنایع کلی طور پر میری ذمہ داری ہے میں اس ذمہ داری سے عمدہ دریا ہوتا چاہتا ہوں۔ "فائدہ اور بابر فوراً" لیکن مجھے زیادہ بھی راضی ہو گیا۔ استثنائی سادگی سے گھر کے افراد کی موجودگی میں اس کا نکاح زیادہ سے ہو گیا تو روشنائی یہ بجلی کی گریزی اس نے حامد سے کئی بار رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہ لب نہ لکھا۔

رات کو اس نے پھر فون پر حامد کا نمبر زانی کیا۔ "ہیلو ملک حلد ہیں؟ اچھا اب تک آپس گئے؟" ٹھیک ہے جب آپس گئے تو میں پھر خود فون کر لوں گی۔ "روشانیہ نے ریسور رکھا تو صنایع لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کے آگے سے ہٹی اور اپنے کمرے میں آگئی۔ گفتگو سے اس نے روشانیہ کی گفتگو سن لی تھی اب واقعی اسے اپنی عزت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ بہت سے آنسو اس کی آنکھوں کی حد سے باہر آ کر اس کے گلے جھکونے لگے جانے روشانیہ نے اس سے کس چیز کا انتقام لیا تھا۔

"عباس بھائی میرا ایک کام کر دیں گے۔"

"ایک نہیں سو کام کروں گا میری بہن بتائے تو سہی۔"

"اصل میں مجھے زیادہ صاحب سے بات کرنی ہے۔"

بلاخرہ ایک ایک کر کے اس نے کہا۔ "عباس کے بہت چار قہقہے نے اسے دلدایا۔"

"اب گویا اب وہ صاحب ہو گئے ہیں۔" عباس بہت شریرو ہو رہا تھا مگر صنایع کی رد ہائی آواز سن کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

نمبر لانے لگی۔ مگر زیادہ نہیں میں موجود نہیں تھا دو تین بار زانی کرنے کے باوجود زیادہ سے بات نہ ہو سکی تو وہ جھنجھلا گئی اور دوبارہ عباس کو فون کیا۔ "نہیں کرتا ہوں بھائی جیسے ہی آپس کے آپ کی طرف پہنچ دوں گا۔" عباس بولا۔ اس کی بھائی سے صلہ ہو چکی تھی اور وہ بہت خوش تھا۔

"ہاں۔" اس نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا پر کہہ کر ہچکتی۔

"اوه نہ نہیں ایسے نہیں کرتا ہے۔"

"تو پھر بتاؤ کیا کروں تمہیں لینے آ جاؤں کیونکہ مجھے پچھو کے گھر لانا ہو گئے ہوئے ہیں اور یہاں ہم دونوں گھیاں مار رہے ہیں تمہاری آمد خوشگوار ہی ثابت ہوگی۔"

"ہر لوگ کیا کہیں گے۔"

"کوئی مارو لوگوں کو میں ابھی تمہیں لینے آ رہا ہوں تم فکر مت کرو کہ آتی سے میں نے کیا کہا ہے۔"

اسے ترکیب بتانے لگا تو صنایع کی سانس میں سانس آئی۔ پھر سچ سچ اسے لینے آ گیا جانے فاطمہ اور اس میں کیا کیا باتیں ہوئیں کہ انہوں نے اس کے جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ صنایع کے اندر جو چور بننے کا احساس پیدا ہو چلا تھا جاتا رہا۔

نئے رشتے سمیت وہ پہلی بار یہاں آئی تھی۔ حلد کی زندگی اور ہوسٹائی سے محفوظ رہنے کے لیے اسے زیادہ کی عیاشی اور رنلین مزاجی منظور تھی کم از کم وہ اسے اپنا تو رہا تھا۔ اسے اپنی زمین والہی لینی تھی فاطمہ اور اسجد کے قاتلوں کو بدالت کے کٹرے تک لانا تھا اپنی عزت بھی بچانی تھی اگر اس کی پشت پر زیادہ کی مضبوط شخصیت ہوئی تو سب ناممکن ممکن تھا یہ سب سوچتے ہوئے وہ بے حد خود غرض ہو گئی تھی اللہ کی موت نے اسے سیر پابند کر رکھا تھا وہ مضبوط پر غم اور دنیا دار ہو گئی تھی اسے اپنی بقا کے لیے یہ سب کرنا ہی تھا۔

"بھائی آگئے ہیں میں نے کہہ دیا ہے تمہیں ان سے ضروری کام ہے وہ پہنچ کر کے آتے ہیں تم بیٹھو۔"

میں ذرا بچن کا چکر لگاؤں۔ کھوں خاطر ادارت کا انتظام کیا ہے۔ "وہ اپنی شرارتی مسکراہٹ چھپا کر بھاگا۔ وہ ایک شہت کی یونی ایک کتب خانہ اس کی درج کردہ کرنے لگی تو سوں کی آہٹ پر اسے سر اٹھا پڑا۔

"زیادہ ہی تھا۔"

"کیسی ہیں صنایع خیمہ تو ہے ناں عباس نے آتے ہی ڈرا دیا کہ آپ پریشان ہیں لور کوئی ضروری بات کرنے آئی ہیں یہ ستنے ہی میں یونی انھہ کر چلا آیا دیکھ لیں یونی غلام بھی نہیں بولا ہے۔" وہ نارمل انداز میں بات کر رہا تھا اس کے دل کو ڈھارس دی ہوئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں دیکھ رہا ہوں پہلے سے ٹھیک لگ رہی ہیں بلکہ خاصی ٹھیک ٹھاک۔" اب کے زیادہ نے خفاقتا۔

مروانہ استحقاق بھری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ اس کی کھنی چوٹی چادر میں چھپی ہوئی تھی اور گلابی پاؤں نازک اسٹائلس کی چوٹی میں مضطرب سے تھے جنہیں وہ بار بار زمین سے رگڑ رہی تھی۔ خواہ مخواہ اپنی موی انگلیاں چمکنے لگی۔

"ہاں کیا بات ہے شروع ہو جائیں۔" وہ کیپ سر سے اتر کر بال ٹھیک کرنے لگا۔ وہ پھر اسی مسکراہٹ کا کارہوئے لگی جسے اپنے تئیں کمر چھوڑ آئی تھی بھلا وہ کیسے کہے کہ زیادہ اس کا مدعا بھی جن لے اور اس کا بھرم بھی رو جائے آخر اس شخص کے سامنے میری ساری ہمدردی اڑ چھو کیوں ہو جاتی ہے بھلا زیادہ میرے بارے میں کیا سوچے گا اچھا سوچتا رہے جو بھی سوچتا ہے۔

"اس نے آنکھیں بند کر کے کہہ دی دیا۔"

"پلیز مجھ سے جلدی شادی کر لیں مجھے ڈر لگتا ہے۔" پہلے تو وہ حیران ہوا پھر اسے اپنی مسکراہٹ پھیلانی دشوار ہو گئی وہ اس کے دونوں نظروں میں ربط تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صنایع سمجھ کر کہ وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے اس کی آنکھوں میں آنسو آئے۔

"ہاں کے بعد میں اکیلی ہو گئی ہوں بالکل بے سارا مجھے ایک مضبوط سارے کی ضرورت ہے۔ آپ سے براہ کرم ہمت ہو گا۔" جذباتی پن کی اس کیفیت میں

اس نے وہ سب کہہ دیا جو شاید عام حالات میں کہنے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔

"بھئی آپ اکیلی کہاں ہیں میں جو ساتھ ہوں۔"

زیادہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک بیٹھ گیا تو صنایع کے رونے میں کمی آنے لگی۔ اسے اب احساس ہوا کہ اس سے شاید حماقت ہو گئی ہے اگر وہ یہاں چلی تکی تھی تو یہ سب اسے زیادہ سے براہ راست نہیں کہنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس کا انداز ایک دم بدل گیا تھا اس نے صنایع کے سراپے کو جو نگاہوں کے حصار میں لے لیا تھا۔

"پھر تازہ اور دن کا بھی تعین کر دیں تاکہ بارش لے کر آنے میں آسانی رہے۔"

"پلیز آپ تو میرے ساتھ مذاق مت کریں جن حالات سے میں اس وقت گزر رہی ہوں انہی حالات نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔" یہ لفظ کون کر رہا ہے اسے پہلے اپنے اور اس کے درمیان تعلق کی خوب صورتی کا احساس ہی نہ تھا۔

"حالات کا مجھے بھی اندازہ ہے مگر صنایع یہ مناسب ہو گا کہ پہلے آپ اپنی تعلیم مکمل کر لیں تھوڑی لور میچور ہو جائیں۔ میں مرد ہوں مجھے کوئی مشکل نہیں ہے مگر آپ میرا ذہن کی ذمہ داری شاید ابھی نہ نبھا سکیں۔"

"مجھے بھی مشکل نہیں ہوگی میں نے وراثت کی مکمل فضا میں پرورش پائی ہے شہر کی لڑکیوں سے زیادہ میچور ہوں۔" اس وقت صنایع کے سامنے صرف یہی ایک پوائنٹ تھا کہ زیادہ خصی ہے رضامند ہو جائے وگرنہ آنے والے دنوں میں شاید حامد اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو جائے یہ اس کی سوچ تھی۔ اس وقت قدرے خدی اور اپنی بات پر اڑی صنایع زیادہ کو اتنی بوکھل گئی کہ وہ بے اختیار سا ہو گیا۔

"مجھے منظور ہے ابھی اسی وقت۔" صنایع کے چہرے کا رنگ اس کی جرات پر اڑسا گیا اسے زیادہ سے اس درجہ پیاکی کی امید نہ تھی وہ بجلی کی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ گئی۔ عباس فوراً زور سے کھنکھاتا اندر داخل

ہو تو صنایع شرمندہ ہی ہو گئی۔

”سمانجھے روشانہ شروع سے ہی پسند ہے اب جب بھائی کی بات فاضل ہو چکی ہے تو آپ میرا رد پونزل لے جائیں اس سے پہلے کہ کوئی اور اسے بگ کر لے“ عباس بڑے لاڈ سے اپنا سرفنا نقد کے کندھے پر رکھے کہہ رہا تھا۔

”اللہ اللہ کیا زمانہ آگیا ہے اب لڑکے خود کس بے شرمی سے والد محترمہ کے حضور اپنی پسند و ناپسند بیان کرنے لگے ہیں۔“ فیضان اس کی بات سن چکا تھا اور اب چڑھائی کی تیاری کر رہا تھا۔ عباس کھینچا گیا اسے معلوم نہ تھا کہ فیضان بھی موجود ہے اپنے تئیں تو اس نے اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی بات کی تھی مگر وہ جانے کب سے ادھر چھپا ہوا اس کا حرف بہ حرف سن چکا تھا اب اس کا ریکارڈ لگنا لازمی تھا۔ فائدہ دونوں کی تو نہ ہو سکتا۔ مسکراتے لگیں۔

روشانہ ملک حامد سے رابطہ کرنے کی کوشش کر کے تھک گئی تھی اس نے اپنے جو تین مسودے تھے ان میں سے کسی ایک پر بھی دستخط نہیں تھا وقت تھا کہ تیزی سے گزر رہا تھا اور وہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا پھر ایک روز اس کے ملازم سے بات ہوئی مٹی اس نے بتایا ملک حامد ہسپتال میں اپنے والد صاحب کے پاس ہیں جن پر فلج کا زبردست انیک ہوا ہے اور وہ زندگی و موت کی کشتی کشتی میں ہیں۔ اب وہ اس کی غیر حاضری کی وجہ جان گئی۔ اب اسے جو کچھ کرنا تھا خود کرنا تھا اگر وہ اس موڈ پر رہا بھی سستی رکھائی تو زیادہ کو بیش کے لیے کھودتی۔ گھر میں کوئی بھی نہیں تھا اس نے صنایع کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ وہ بھی کہ روشانہ آپلی نے شاید۔ اپنی ناراضگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اس لیے اسے بلوایا ہے۔ وہ خوشی خوشی اس کے بلاوے پر دوڑی گئی۔

”بھو بھو مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے اس کا ذکر کسی سے مت کرنا خاص طور سے گھر میں اس کا انحصار

تمہاری عقل مندی پہ ہے۔“ صنایع میرے اور زیادہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ میں اسے اس وقت سے چاہتی ہوں جب تم نے اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھا تھا میں زیادہ کو بائیں پن کی حد تک چاہتی ہوں وہ میرا آئیڈیل ہے۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی اور زیادہ سے دستبردار ہوئے تو تیار نہ ہو میں تو میں ملک حامد والی کہانی اور تمہاری قابل اعتراض تصویریں زیادہ تک پہنچاؤں گی اس کے پاس تمہارے بڑے زبردست پور ہیں اور جو کمپیوٹر ایفیکٹس کے ساتھ تمہاری بندہ منٹ کی مودی ہے اگر زیادہ نہ دیکھ لے تو تمہیں یہ حققتی کروانے سے پہلے ہی قتل کر ڈالے گا کیونکہ وہ اتنا بے غیرت نہیں ہے تمہاری جیسی لڑکی کو اپنا لے لگہو ایسا ویسا نہیں ہے اس کی شرافت کی مثالیں سارا حکمہ دتا ہے بھلا وہ تم جیسی لڑکی سے شادی کرے گا جس کی قابل اعتراض تصویریں ایک عیاش جاگیردار کے پاس ہیں۔“

”اے روشانہ اتنی سنگدل بھی ہو سکتی ہیں“ اس کا اندازہ صنایع کو پہلی بار ہوا۔ اندر چھپنے سے کچھ ٹوٹا تو پورے بدن میں کڑیاں ہی کڑیاں چبھ گئیں۔ ”مگر آپ جانتی ہیں وہ تصویریں جہلی ہیں میں ایسی لڑکی نہیں ہوں میں نے ملک حامد کی کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی ورنہ میرے ساتھ یہ سب نہ ہوتا۔“

”کون یقین کرے گا تمہاری باتوں کا اور ہمارے یہاں کے مرد غیرت اور عورت کے معاملے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ زیادہ کو تم میرے لیے رہنے دو اگر میری بات مانو گی تو ملک حامد کے ہاتھوں بے عزت ہونے سے بچ جاؤ گی ورنہ حامد تمہاری وہ شاہکار تصویریں اس محلے کی ایک ایک یواہر آپ ڈیراں کر دے گا اس لیے فوراً شادی سے انکار کر دو۔“

”مگر میرے پاس انکار کا کوئی جواز تو ہو۔“ وہ بے بسی سے بولی۔

”کبھی کبھی انکار کا جواز نہیں ہوتا۔“ روشانہ کی آنکھیں صفائی کی طرح دھبہ رہی تھیں۔ صنایع کے دل

کو کسی نے پوری قوت سے مسل کیا۔

”نہ جانے میں نے ابھی اور کیا کیا دیکھا ہے۔“ وہ بستلی گرفت ہو رہی تھی۔

”صنایع بیٹا تم ہوش میں تو ہو۔“ ابراہیم اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہو۔ ”جی خالو میں یہی کہہ رہی ہوں کہ میں زیادہ کے ساتھ شادی کے لیے راضی نہیں ہوں۔“ اس وقت وہ شرمندگی کے جس مرحلے سے گزر رہی تھی وہی جانتی تھی باپ جیسے خالو کے سامنے یہ دھمکی اسے زندہ درگور ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔

”آخر کیوں تک ایک تمہیں کیا ہو گیا ہے تمہیں نکاح سے پہلے یہ بات سوچنی چاہیے تھی۔“

”بس اس وقت نہیں سوچتی تھی اب فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔ زیادہ ایک رنگین مزاج شخص ہے میں ایسے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔“ ”تمہیں زیادہ کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے وہ تو بہت باکردار اور عمدہ لڑکا ہے۔“

”آپ اس باکردار اور عمدہ لڑکے کی شادی اپنی بیٹی سے کیوں نہیں کر دیتے۔ مجھے انکار ہے اس رشتے سے۔ آپ بات ختم کر دوں۔“ وہ تیزی سے باہر نکل گئی کیونکہ اور زیادہ روہن کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے کتنی بے حیائی سے ان کے سامنے سب کچھ کہہ دیا تھا اپنی عزت اور روشانہ کے مجبور کرنے پر۔ مگر خالو تو یہ بات نہیں جانتے تھے۔ اب وہ صنایع کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے اس کی بلا سے وہ تو دونوں طرف سے پھنسی ہوئی تھی آگے کنواں اور پیچھے کھائی والا معاملہ تھا۔

ان کا پورا گھر ہی صنایع کے انکار کی وجہ سے متحرک تھا سب سے زیادہ دکھ تو عباس کو ہوا تھا اور زیادہ کی مراد ان سے ضرب بڑی تھی کہیں تو ایک دن آکر وہ اسے رخصتی کی درخواست کر رہی تھی اور آج اس کی طرف سے انکار بھی آگیا تھا کہ وہ راضی نہیں ہے چند دن کے

اندرا اندر اس میں یہ تبدیلی کیسے آگئی تھی۔ ”اے صنایع آپ نے کیسے پروا نہ کر لیا اور صنایع کو میری توہین کرنے کی ہمت کیسے ہوئی جو بھی یہ بات سنے گا مذاق اڑائے گا میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔“ زیادہ فائدہ کے سامنے منتشر سا بیٹھا تھا خوفناقہ کا بھی یہی حال تھا۔

کلچ ٹائم آف ہونے پر وہ یونیورسٹی سے باہر نکلی اس کے قریب کسی گاڑی کے بریک زوردار آواز میں چرچا اٹھ رہا تھا۔ زیادہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر رہا تھا اس نے صنایع کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پر انکار کی تحریر بڑی واضح تھی۔ زیادہ نے اس کا بازو پکڑا اور اسے فرنٹ سیٹ پر تقریباً دھکا دے کر بٹھایا۔ اسے اس بات کی بالکل پروا نہیں تھی کہ لوگ انہیں کن حیرت بھری سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ اب گاڑی کو ایک سنسان کم زونک والی سڑک پر ڈال چکا تھا۔ جس کے دونوں طرف بلند و بالا درخت تھے اس پاس کسی آبادی کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ اگر زیادہ اسے یہاں مار کر پھینک بھی جاتا تو کسی کو پتہ نہیں چلتا اندر سے وہ بری طرح خوفزدہ تھی زیادہ کی اس حرکت کا کسی مطلب ہو سکتا تھا کہ اسے سب کچھ پتہ چل چکا ہے اور اب وہ اس کا ”انجام بخیر“ کرنے اسے اس دیرانے میں بلایا ہے۔

چندہ جیس منٹ کے بعد اس نے ایک طرف کچے راستے پر اتار کر گاڑی روک لی اور سیٹ کی پشت سے نیک لگا کر گھر سے گھرے سامنے لینے لگا۔ چند منٹ کے بعد اس نے صنایع کی طرف رخ کیا۔

”نوجو سکنا ہوں محترمہ آپ کے اس انکار کا سبب کیا ہے کہیں تو آپ فرما رہی تھیں پلیز جلدی سے رخصتی کر لیں اور کہیں یہ انکار۔ اچانک مجھ میں کیا برائی دکھائی دینے لگی۔“ اس کا لہجہ سرد و طنزیہ اور روکھا تھا جس میں اپنائیت کی رقت تک نہ تھی۔

”جیسے آپ سے شادی نہیں کرنی ہے آپ کسی اور لڑکی سے کر لیں۔“ روشانہ آپلی سے کر لیں وہ بہت اچھی ہیں۔“ اس بہادری کا جواب اسے زیادہ کے بحر پور پھپر

کی صورت میں ملا۔

”میں اب اور اپنی توہین نہیں کروا سکتا مجھے شادی تمہارے ساتھ ہی کرنی ہے آئندہ میں انکار نہ سنوں۔ بصورت دیگر مجھے اپنی بات منوانی آتی ہے۔“ پھر کھانے کے بعد مندرجہ بالا کی بات سن کر وہ بھی اس کے بعد دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ زیادہ اسے گھر چھوڑ کر گیا تو جانے سے پہلے پھر وارننگ روم نہیں بھولا تھا۔

وہ بے چینی سے بستر پر کدوئیں بدل رہی تھی نیند کسی طرح آگے نہ دے رہی تھی نہ اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرتی جہاں زیادہ کی انگلیوں کے نقش ثبت ہو کر رہ گئے تھے ہاتھ پھیرنے سے اسے نئے سرے سے تکلیف کا احساس ہوتا وہ حاملہ روشتانہ اور زیادہ کے درمیان فٹ بلی بن کر رہ گئی تھی۔ اگر روشتانہ کی نہ مانتی تو حاملہ کا ہوا سر پہ کھڑا کر زیادہ کی نہ مانتی تو اس کا سخت رویہ استخوان لینے کھڑا ہو جاتا۔ ان تینوں کو صرف بیٹنے سے مطلب تھا فٹ بلی سے کوئی غرض نہ تھی۔ روشتانہ نے اس کے لوتے پہ کہا تھا وہ زیادہ سے نہ ڈرے بلکہ یہ بے عزتی اس بے عزتی کے مقابلے میں کچھ نہ تھی جو حاملہ کے تصور میں دکھانے کے بعد ہوئی اسے زیادہ سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا اس نے مندرجہ بالا کے انکار کو انا کا مسئلہ سمجھ لیا تھا جانے وہ اس کا کیا حشر کرتا اس کا یہ غصیلہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا اگر وہ زیادہ کی بات مان کر رخصتی کے لیے تیار ہو جاتی تو حاملہ اور روشتانہ اسے بدنامی کی کیفیت گہرائی میں پھینک دیتے۔

آخر وہ کرے تو کرے کیا۔ سب اسے کیوں آزمانے پہ تلے ہوئے تھے ایک کے بعد ایک آفت شروع تھی آج چھپا چکی موت کے بعد پے درپے صدمات کا سلسلہ شروع تھا جانے قدرت ہر بار ایک نیا امتحان اس سے لینے کیوں تیار ہو جاتی تھی اس کا دل اندر سے بالکل گزور ہو چکا تھا بلکہ اب تو وہ خستہ و خضر سے اپنی موت کی دعا میں مانگتے لگی تھی کئی دفعہ اس کا منی چلا وہ خود کشی کر لے پراتنی ہمت کہاں سے لاتی۔

زیادہ آج گھر پہ ہی موجود تھا اپنے کمرے میں بستر پر دراز وہ اندھیرا کیے بڑا تھا۔ اس کے لیے مندرجہ بالا کے رویہ تکلیف و حیران کا باعث بن ہوا تھا وہ پھر پریشان اور ابھی دل گرفتہ سی لگ رہی تھی نہ جانے ایسی کون سی بات تھی جو یوں خوفزدہ نظر آتی تھی۔ اس نے بے دھڑک روشتانہ سے شادی کرنے کا کہا تھا۔ لوہر روشتانہ نے بھی اسے مندرجہ بالا کے متعلق مس کچھیز کرنے کی کوشش کی تھی۔ مندرجہ بالا نے اپنے خوف کا اظہار کیا تھا۔ آخر ان ساری اذیتوں کے سرے کہاں جا کر ملتے تھے۔ اسے نرمی سے پیار سے مندرجہ بالا کی پریشانی اور انکار کا سبب معلوم کرنا چاہیے تھا اس نے اسے اپنا مضبوط سہارا کہا تھا۔ کم از کم اسے قوت برداشت سے کام لیتا چاہیے تھا۔ بے چاری گزور و تھکا مندرجہ بالا کے ساتھ اسے یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اسے اپنے سخت رویے پہ پیشانی ہونے لگی تھی۔ لوہر ممانے کہا تھا کہ عباس روشتانہ میں دلچسپی لے رہا ہے وہ اس کا پروپونل لے کر جلد ہی جائیں گی۔ پر عباس نے پہلے ہی روشتانہ سے بات کر ڈالی۔ اس کے اظہار پر روشتانہ کتنی دیر سے بیتی سے اسے دیکھتی رہی۔

”عباس پلیز خاموش ہو جاؤ۔“

”مگر روشتانہ میں نے کوئی غلط کام تو نہیں کیا ہے تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے سیدھا راستہ اختیار کیا ہے۔“

”عباس تم نہیں جانتے میں کسی اور کو چاہتی ہوں شروع سے جب اب کسی اور کا تصور بھی میرے لیے ممکن ہے۔“

”کون ہے وہ۔“ عباس اسے بے یقینی و دکھ سے دیکھتا ہوا بولا۔

”جس سے کوئی تم بھی اسے جانتے ہو۔“ وہ واپسی کے لیے اٹھا تو اس کے وجود سے وہ سرخوشی اور ترنگ کی کیفیت محسوس ہو چکی تھی جو آتے ہوئے اس کی ہنس رہی تھی۔

زیادہ اسے بٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

روشتانہ کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی آج اسے اپنی جیت کا پورا یقین تھا۔ دس منٹ کے بعد زیادہ آگیا وہ ابھی ٹھنڈا کر پڑے بدل کر تھا تھا سفید کرتے شادوار میں لباس غسل کی تازگی سے نکلا خوشبو میں بسا وہ اس کے سامنے تھا روشتانہ نے اسے اپنی نظری لگ جانے کے ڈر سے انکار کر نہیں دیکھا وہ دن دور نہیں تھا جب اسے مکمل و مضبوط مرد پہ اس کا اختیار اور قبضہ ہوتا۔

”ابن مضبوط بانوں میں سمٹ جانے کے خواب تو میرے ہیں مندرجہ بالا کیوں درمیان میں آگئی ہے زیادہ تو میرے ساتھ ج سکتا ہے بھلا وہ روڑی زیادہ کے ساتھ کہاں سوٹ کرے گی اور نہ مس فٹ۔“ وہ اسے دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی زیادہ کے ٹوکنے پہ ہرگز نہ گئی۔

”مجھے مندرجہ بالا کے بارے میں بہت سی اہم باتیں کرنی ہیں یہ آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔“

پھر وہ بغیر رکے بولتی گئی۔ زیادہ کے چہرے کی رنگت بار بار بدل رہی تھی۔ مارے غضب کے اس نے سختی سے اپنے ہونٹ چاڑا لے۔ بار بار وہ مٹھیاں کھول بند کر رہا تھا۔ اپنی بڑی بڑی باتیں ہو گئی تھیں اور اسے علم نہ ہوا تھا۔

روشتانہ بڑی ترنگ میں ڈرائیو کرتی واپس آئی تھی اسے اب بہت جلد کامیابی کی خبر لینے والی تھی اس نے اپنی پسندیدہ گئی انکل زیادہ عباس نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا جب مندرجہ بالا کے واقعے کی گروینجہ جائے گی تو تب وہ محبت کا اظہار کرے گی۔ وہ بھی مندرجہ بالا سے نظرت کی انتہا پہ کھڑا ہو گا جھٹ اس کا دامن تھام لے گا۔

”مما مندرجہ بالا نے کمرے میں نہیں ہے۔“ حواس بانٹ شہلا فاخر کے کمرے میں داخل ہوئی پریشان تو وہ ہوئیں مگر اظہار نہیں کیا بلکہ عام سے انداز میں بولیں۔

”یہیں گھر میں ہوگی۔“

”وہ گھر میں نہیں ہے میں نے سب جگہ دیکھ لیا

”ہے۔“ وہ بڑی طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ فاخرہ انھ گئیں نئے سرے سے اسے گھر بھر میں تلاش کیا گیا اب اس تلاش میں روشتانہ بھی شامل تھی دل میں خوش بظاہر متھکر نظر آ رہی تھی۔

”شاید کسی دوست کے گھر گئی ہو۔“ اس نے ایک نئی زلزلہ کھائی۔ مندرجہ بالا کی کوئی خاص دوست نہیں تھی جو ان سے معلوم کیا گیا ہر جگہ ٹاکا کی کام نہ دیکھنا پڑا۔ ابراہیم سمیت سب پریشان تھے۔ صبح سے شام ہو گئی جانا۔ ڈوڑ کرتے مگر اس کی تلاش بار آور نہ ہو سکی۔ ابراہیم کی قوت جواب دہ گئی۔

”میں زیادہ سے بات کرنا ہوں۔“ آدھے گھنٹے بعد زیادہ بھی مندرجہ بالا کی گمشدگی سے آگاہ ہو چکا تھا اور کم و بیش اسی پریشانی سے دوچار تھا جس سے سب گزور رہے تھے مگر اس کی پریشانی دوسری نوعیت کی تھی۔ فاخرہ کے گھر میں اب مندرجہ بالا کے بارے میں منفی تاثر ابھرنا شروع ہو چکا تھا اور یہ تاثرات ابھارنے میں روشتانہ پیش پیش تھی۔

”دیکھیں زیادہ سے پہلے تو وہ شادی سے انکار کرتی رہی پھر گھر سے ہی غائب ہو گئی۔ بات بالکل صاف ہے اس کی کمشنٹ کیس اور بھی۔“ اس نے قصداً حاملہ کا نام نہیں لیا۔

”جب اسے موقع ملا تو اس نے مس نہیں کیا۔“ زیادہ نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ بالی سب دم بخود تھے ابراہیم اور فاخرہ کے ذہن میں ملک ملک اور مندرجہ بالا کا تعلق اب واضح ہوا تھا۔

”روشتانہ میں مندرجہ بالا کے متعلق تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں ایسے کرو شام تین بجے تم کیغذی لکس آجاؤ۔“ جاتے جاتے وہ روشتانہ کے پاس رکا اور آہستہ سے بولا۔

”نہیں آجاؤں گی۔“ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے اپنا سب سے بہترین لباس زیب تن کیا۔ اس کا تو جیسے انگ انگ جھوم رہا تھا ایک آسودہ سی حالت میں وہ کیغذی لکس پہنچی تو زیادہ کو بے چینی سے اپنا دھڑکا کر اس کے دل کی کل کل سی گئی۔ زیادہ بہت

لودر باہر فوراً "مناع کو لانے کے لیے تیار ہو گئے پر زیاد
نے منع کر دیا جانے اس کے دل میں کیا تھا۔ اسٹائل
اپنی بیوی کا شکر گزار تھا جس نے مناع جیسی بے سہارا
لڑکی کی کڑے وقت میں مدد کی تھی۔



خلد نے ایرکنڈرینڈ فرسٹ کلاس کوپے میں مناع
کے لیے سیٹ بک کروائی تاکہ وہ آرام سے سفر کرے۔
وہ اسے بٹھانے کے بعد چلے گئے۔ مناع دلپسندہ دل میں
ان کی ممنون تھی کہ انہوں نے اس مشکل خیزی میں ہر
طرح سے اس کی دلجوئی کرنے کی کوششیں کی تھیں
اسے کہیں بھی ریگنگی کا احساس نہ ہوا تھا۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ گاڑی اب چلنے کی
تیاری میں تھی پر اس کے سامنے والی سیٹ ابھی تک
خالی تھی۔ اب وہ بھی اور اس کی لامتناہی سوچیں۔
اچانک اس کے خیالات کو بریک لگ گئے سامنے والی
سیٹ کا مسافر آچکا تھا اور یہ کوئی اور نہیں زیاد تھا اور ہر تھ
سے تیزی سے اٹھی۔

"اپنے آپ کو زیر حراست سمجھیں" زیاد کا لہجہ سرد
اور خشک تھا۔ مناع جو سمجھ رہی تھی اب اس کے
دکھوں کے دن تمام ہو گئے ہیں اس ناگہانی پہیٹ کی
طرح ٹھہر گئی۔ آنسو پلوں کی بانہ بھلائیگ آئے۔
"میں نے آخر کیا کیا ہے میرا جرم کیا ہے میں خود کو
زیر حراست سمجھوں کیا آپ کے پاس میرے جرم کا
ثبوت و وارنٹ ہے۔" جھپکے جھپکے لہجے میں بولتی وہ دست
اواس واکلی لگ رہی تھی۔

"آہستہ آہستہ ایک سال میں اتنے سوال ان
سب کا ایک ہی جواب ہے آپ کے جرم کا جیتا جاتا
ثبوت میں خود ہوں رہا وارنٹ تو وہ نکاح ٹائے کی
صورت میں میرے پاس محفوظ ہے۔" وہ ہلکے پھلکے
انداز میں مسکرایا۔

"مناع آپ مجھ پر اعتماد کر کے صرف ایک بار مجھے
سب کچھ بتا دیں تو توت یوں تک نہ پہنچتی کہ پہلی
فرصت میں انکار کر دیا کہ میں رہتین مزاج ہوں اس

فرزانہ نے تو آپ سے سچ اگلوانے کے لیے آپ
خوفزد کیا تھا اور آپ سچ سمجھ بیٹھیں۔ خواہ مخواہ اسے
دکھ اٹھائے ساتھ میں سمجھے بھی بے آرام کیا ان میں
دونوں میں میں اتنا پریشان رہا ہوں کہ اتنا اپنی عمر کے
ساتھ میں ساحل میں بھی نہیں ہوا ہوں۔ اب بھی اگر
شہلا بھاگتی نہ بتاتیں تو میں اندھیرے میں ٹانگ ٹوٹتا
مارتا رہتا۔"

کیا یہ سب سچ تھا مناع کو اپنی ساتھیوں پہ بے یقینی
ہونے لگی۔

رات گہری ہو رہی تھی ساتھ خشکی پرہہ رہی تھی
مناع نے پہلی بار روشن روشن مسکراہٹ سے زیاد
طرف دیکھا اسے یقین تھا یہ مہیاں صورت شخص اس
کے سارے دکھ سمیٹ لے گا اسے وہ شائد
بارے میں سوچ کر دکھ سا ہوا بھلا اس کے ہاتھ کیا لگی
تار سائی دنا کافی اور بدنامی جسد کرنے والے صرف
ذات کو ناقص ملانی نقصان پہنچاتے ہیں۔ عباس
مخلص لڑکے کو وہ شائد نے خود ٹھکرایا تھا زیاد کو مناع
سے چھیننا چاہا تھا پر اپنی عزت ہی گنوا بیٹھی سہلا
بھاگتیوں سے گھر گئی اب بھلا وہ کبھی سر بلند ہو سکتی
اپنی خود غرضی میں وہ اپنا نقصان بھی فراموش کر
گئی۔

آہستہ آہستہ لن کی منزل قریب آتی جا رہی
مناع نے اپنے ہمسفر کی طرف دیکھ کر لڑا
آنکھیں کھول دیں تو وہ پچھلے ہی گئی اس کی بار
پکڑی گئی تھی۔ ٹرین آہستہ آہستہ رک گئی۔ زیاد
اپنا ہاتھ کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔ چند لمحوں
کے وہ جھپکی کی پھر اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں
دیا۔ ایک ایسے ہی سفر میں زیاد اس سے ٹکرایا تھا
سفر میں اور اس سفر میں زمین آسمان کا فرق تھا حال
پریشانی اور وہ اس کے ہمراہ نہیں تھا۔ وہ ہونے
سے اپنی منزل اپنی پناہ گاہ کی طرف جا رہی تھی
راتے میں اب کوئی خوف نہیں تھا۔